زیب النساء زیبی کی غزل کا موضوعاتی جائزہ

مقالہ برائے ایم فل اُردو

مقالہ نگار:

چوہدری عثمان علی

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

جنوری ۲۰۱۹ء

زیب النساء زیبی کی غزل کا موضوعاتی جائزہ

مقالہ برائے ایم فل اُردو

مقالہ نگار:

چوہدری عثمان علی

ایم۔فل (اُردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف لینگویجز

(اُردو زبان وادب)

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

جنوری ۲۰۱۹ء

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

زیرِ دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے اور مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگویجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: زیب النساء زیبی کی غزل کا موضوعاتی جائزہ

پیش کار: چوہدری عثمان علی رجسٹریشن نمبر: 1209/M/U/S16

ماسٹر آف فلاسفی

شعبہ: شعبہ زبان و ادب اُردو

ڈاکٹر نعیم مظہر _____

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد سفیر اعوان _____

ڈین فیکلٹی آف لینگویجز

بریگیڈیئر محمد ابراہیم _____

ڈائریکٹر جنرل

_____

تاریخ

اقرار نامہ

میں چوہدری عثمان علی حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا مواد میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد کے ایم۔فل سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر نعیم مظہر کی زیر نگرانی مکمل کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا ہے اور نہ آئندہ کروں گا۔

_____

چوہدری عثمان علی

مقالہ نگار

فہرست ابواب

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم		iii
اقرار نامہ		iv
فہرست ابواب		v
مقالے کا دائرہ کار		vii
Abstract		ix
مقالے کا مقصد		x
اظہار تشکر		xi
باب اول:	زیب النساء زیبیؔ کا تعارف اور پاکستانی غزل	01
الف۔	موضوع کا تعارف	01
ب۔	خاندانی پس منظر	05
ج۔	پاکستانی غزل کا موضوعاتی مطالعہ	10
	حوالہ جات	17
باب دوم:	زیب النساء زیبیؔ کی غزل میں رومانوی موضوعات	18
الف۔	غزل کا کلاسیکی یا روایتی انداز	18
ب۔	زیب النساء زیبیؔ کے ہاں عشق بطور موضوع	30
	حوالہ جات	37
باب سوم:	زیب النساء زیبیؔ کی غزل میں سماجی موضوعات	38
الف۔	زیب النساء زیبیؔ کے عہد کا سماجی منظر نامہ	38
ب۔	بھوک، غربت اور مزدور	42
ج۔	دہشت گردی اور مذہبی تفرقہ بندی	48

د۔ عورت کے مسائل 54
حوالہ جات 66

باب چہارم: زیب النساء زیبیؔ کی غزل میں سیاسی موضوعات 67
الف۔ زیبیؔ کے عہد کا سیاسی منظر نامہ 67
ب۔ حکمرانوں پر تنقید 76
ج۔ سیاست اور جمہوریت کا دوہرا معیار 85
حوالہ جات 98

باب پنجم: مجموعی جائزہ 99
الف۔ ماحصل 99
ب۔ زیب النساء زیبیؔ کے بارے میں معاصرین کی آرا 105
حوالہ جات 114
ج۔ نتائج 115
د۔ سفارشات 115
کتابیات 116

مقالے کا دائرہ کار

اس تحقیقی مقالے میں زیب النساء زیبیؔ کی غزل اور اس میں پائے جانے والے موضوعات کے بارے میں تفصیلی تحقیق کی گئی ہے۔ شاعری احساسات و جذبات کے بیان کا دوسرا نام ہے اور اس سلسلے میں تفصیلاً زیب النساء زیبیؔ کی غزلیہ شاعری کو تحقیقی طور پر جانچتے ہوئے اس بات کا پتہ لگانے کی کوشش کی گئی ہے کہ آج کے معاشرے کے حوالے سے زیب النساء زیبیؔ کی غزل کو کن موضوعات نے زیادہ متاثر کیا ہے اور زیب النساء زیبیؔ کی شاعری کی ہم عصر شاعری میں کیا انفرادیت ہے۔ نیز فن و فکر اور اسلوب کے کون سے نئے انداز زیب النساء زیبیؔ کی شاعری سے پھوٹتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے مذکورہ مقالے کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

باب اول میں زیب النساء زیبیؔ احوال و آثار اجمالی جائزہ اور اُن کے شعری ساخت اور رجحان پر اجمالاً بحث کی گئی ہے۔ اس باب کے دوسرے حصے میں پاکستانی غزل کا موضوعاتی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

باب دوم زیب النساء زیبیؔ کی غزل کے رومانوی موضوعات اور رجحانات پر مفصلاً بحث کرتا ہے۔ مذکورہ باب، باب اول کی مانند دو حصوں میں منقسم ہے۔ اس باب کے دوسرے جز میں زیب النساء زیبیؔ کے ہاں عشق بطور موضوع کے حوالے سے بات کی گئی ہے اور اُن کی غزلیہ شاعری سے نمونے کے طور پر اشعار شامل کیے گئے ہیں۔

باب سوم زیب النساء زیبیؔ کی غزل میں سماجی موضوعات سے متعلق ہے۔ مذکورہ باب کے حصہ الف میں زیب النساء زیبیؔ کے عہد کے سماجی منظر نامے کو بیان کیا گیا ہے۔ اس باب کے دوسرے جز میں ''بھوک، غربت اور مزدور'' جو زیب النساء زیبیؔ کی غزل کے خاص موضوعات میں سے ہے کے حوالے سے بحث ملتی ہے۔ مذکورہ باب کا تیسرا جز زیب النساء زیبیؔ کی غزل میں دہشت گردی اور مذہبی فرقہ بندی کے حوالے سے ہے جو پاکستان کے سنگین مسائل میں سے ایک ہے۔ باب سوم کے جز چہارم میں زیب النساء زیبیؔ کی شاعری میں عورت کے مقام و مرتبے اور مسائل کے حوالے سے بحث ملتی ہے۔

زیب النساء زیبیؔ کی غزل میں سیاسی موضوعات کے حوالے سے بحث باب چہارم میں ملتی ہے۔ یہ باب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ جز اول میں زیب النساء زیبیؔ کا سیاسی منظر نامہ بیان کیا گیا ہے۔ اس باب کے جز 'ب' میں زیب النساء زیبیؔ کی غزل میں پاکستان کے ریاستی اداروں پر قابض اشرافیہ اور حکمرانوں پر تنقید کے حوالے سے بحث ملتی ہے۔ اس باب کا تیسرا جز سیاست اور جمہوریت کے دوسرے معیار کے حوالے سے ہے۔ اس حصے

میں پاکستانی سیاست اور جمہوریت کو زیب النساء زیبیؔ کی غزلیہ شاعری کے تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔اس مقالے کا پانچواں اور آخری باب معاصر غزل میں زیب النساء زیبیؔ کی معاصر غزلیہ شاعری میں زیب النساء زیبیؔ کا مقام و مرتبہ بیان کرنے کی کوشش کی۔اس باب میں غزل کے میدان میں زیب النساء زیبیؔ کی غزلیہ شاعری انفرادیت کو بیان کیا گیا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زیب النساء زیبیؔ کا طرزِ فکر اور نگارش انھیں کس طرح دیگر شعراء سے منفرد بناتا ہے۔

ABSTRACT

Poetry is the description of feelings and emotions. Zaib-un-Nissa Zaibi is on of the prominent poetesses in Pakistan, In this research thesis I horology discussed the topics and subjects of Zaibi's poetry. I tried to discover the background of zaibunnisa's ghazals poetry that how social changes effect zaibi's ghazal. I also discussed about the value of her art in the current scendrio.

This thesis is divided in five major parts.

In 1st chapter the introduction of Zaibi is presented the second part of this chapter is biased on the general introduction of Ghazals poetry in Pakistan. I discussed romantic topics of her ghazal in 1st part of the 2nd chapter. In the second part of the second chapter I discussed two emotion of lone and ishq in her ghazals.

3rd chapter of this thesis is about the social topics of her ghazals. This chapter is divided in four substituent parts. First part of this chapter is about the general social discussion of the age of Zaibi on the behalf of her ghazals. In the second of the 3rd chapter. I discussed the problem of gluttnery and poverty third part of the 3rd chapter the I discussed terrorism sectarianism in the ghazal of Zaibi the last and the 4th part this chapter, based upon the discussion about the status of woman in our society.

Political topics are discussed in the 4th chapter this chapter is divided in three parts. In 1st part of this chapter political scenario of Zaibi is described 2nd part of this chapter is about the criticism of elete and ruler class of Pakistan.

Third part is about the double standard of politics and democracy in our country. I want to show the current political situation of Pakistan in her view

Fifth chapter is about art of poetry of Zaibi in current age, the result shows that how zaibi's thoughts and art make her unique from other poets.

مقالے کا مقصد

غزل اُردو ادب کی قدیم ترین اصناف سخن میں سے ایک ہے۔ غزل میں بحر بیکراں جیسی وسعت کے حامل مضمون کو دو مصرعوں میں بند کرنا ہوتا ہے۔ دریا کو کوزے میں بند کرنے جیسا محاورہ شاہد غزل ایسی صنف کے لیے ایجاد کیا گیا ہے۔ یہ غزل کی ایسی خصوصیت ہے۔ جو اسے بقیہ اصناف سے ممتاز کر دیتی ہے اور غزل کے مخالفین نے اسی پر سب سے زیادہ اعتراضات بھی کئے ہیں۔ غزل کا ہر شعر الگ مضمون کا حامل ہوتا ہے۔ اور زندگی کے نت نئے معانی انسان کے سامنے پیش کرتا ہے۔

شاعری کی ہر صنف زمانے کے ساتھ ساتھ موضوعات اور ساخت میں تبدیلی لے کر آتی ہے۔ مگر غزل ساخت میں تبدیلی کیے بغیر موضوعات کو پوری طرح سے بیان کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اُردو میں ولیؔ، میرؔ، ذوقؔ، غالبؔ اور داغؔ جیسے نامور غزل گو شعراء موجود ہیں۔ مگر ان تمام شعراء کا فن و فکر ایک دوسرے سے الگ اور انفرادیت لیے ہوئے ہیں۔

زیب النساء زیبیؔ کا دور مجموعی طور پر ہر شعبے میں انحطاط اور مایوسی کا دور ہے۔ اس دور میں ہر شاعر اپنی انفرادیت لیے موجود دور کی خرابیوں کو بیان کرنے میں مصروف ہے جس میں معاشرت اور معیشت سمیت دیگر پہلو بھی شامل ہیں۔

زیب النساء زیبیؔ موجود شاعروں کی جھرمٹ میں ایک منفرد غزل گو کے طور پر سامنے آئی ہیں۔ اُن کے بہت سارے اشعار چونکا دینے والے موضوعات رکھتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جدید غزل گو شعراء کی غزلوں اور نظموں کو تحقیقی حوالے سے مزید جانچا جائے تاکہ معاشرہ ان اشعار میں چھپے مفہوم تک رسائی حاصل کر سکے۔

ہمارا معاشرہ زندگی کی تیز رفتار دوڑ میں ہر روز ایک نئے رنگ سے سامنے آرہا ہے۔ ایسے میں شاعر اپنی شاعری میں رنگا رنگی پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ زیب النساء زیبیؔ آج کے دور میں ممتاز غزل گو شاعرات میں سے ایک ہیں۔ جنہوں نے غزل کے ذریعے معاشرت، سیاست، نفسیات انسانی اور موجودہ پیچیدہ اقتصادی نظام کے حوالے سے موضوعات کے نت نئے دور بیان کئے ہیں۔ ان کی غزل کا جائزہ لے کر موضوعات کی کھوج اس تحقیق کا بنیادی مقصد ہے۔

اظہار تشکر

اس مقالے کی تکمیل کے لیے میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں۔ میں صدر شعبہ اُردو ڈاکٹر روبینہ شہناز کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جن کی حوصلہ افزائی نے مجھے میرے کام میں بے پناہ معاونت فراہم کی۔ اس مقالے کی تکمیل محترم نگران ڈاکٹر نعیم مظہر کے پر خلوص مشوروں کے بنا ممکن نہ تھی۔ جنہوں نے مقالے کے ہر مشکل مرحلے کو بحسن وخوبی طے کرنے میں میری کامل راہنمائی کی۔ علاوہ ازیں میں ڈاکٹر فوزیہ اسلم استاد شعبہ اُردو کا بھی بے حد شکر گزار ہوں۔ جن کے مفید مشوروں نے مجھے مقالے کی جلد تکمیل میں مدد فراہم کی۔ زیب النساء زیبیؔ جن کے فن پر اس مقالے کی بنیاد ہے۔ نے دور ہونے کے باوجود مجھے مکمل معاونت فراہم کی اور مواد کی تلاش اور فراہمی میں اُن کی قیمتی آراء اور مدد کا میں تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میں شعبہ زبان وادب اُردو کے تمام اساتذہ کا دلی طور پر سپاس گزار ہوں۔ جنہوں نے اپنے قیمتی وقت میں سے میرے لیے وقت نکالنے اور راہنمائی کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

میں اپنے تمام ہم جماعت ساتھوں کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مجھے قدم قدم پر مشورے فراہم کیے اور تحقیق کی مشکل صورتحال میں میری پوری مدد کی۔

میرے والدین کی دعائیں اور شفقتیں اس منزل تک پہنچانے میں ہمہ وقت میری ہم کار رہی ہیں۔ میں اپنے والدین کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جن کے تعاون کے بغیر یہ کٹھن منزل حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔

چوہدری عثمان علی

الف۔ موضوع کا تعارف

اُردو شاعری ہر عہد میں مختلف قسم کی ذہنی، فکری، تہذیبی، معاشی اور سیاسی عوامل سے متاثر ہوتی رہی ہے۔ غزل اُردو شاعری کی مقبول صنف ہے اور اس صنف پر مختلف حوالوں سے بہت سا کام ہو چکا ہے۔ لیکن غزل کا موضوعاتی میدان اس حوالے سے تشنہ تحقیق رہا ہے۔

اس مقالے میں زیب النساء زیبیؔ کی غزل کا موضوعاتی جائزہ لیا جائے گا۔ زیب النساء زیبیؔ ۳ جولائی ۱۹۵۴ کو کراچی میں پیدا ہوئیں۔ زیب النساء زیبیؔ ایک کہنہ مشق شعری روایات اور جدید رجحانات سے استفادہ کرنے والی شاعرہ ہیں۔ انھوں نے اپنی غزل میں مختلف موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے۔ پاکستانی معاشرہ اپنے آغاز ہی سے تبدیلیوں کی زد میں رہا ہے۔ اور ایک شاعر کا ان تبدیلیوں سے متاثر ہونا ایک لازمی امر ہے۔ ان تبدیلیوں نے زیب النساء زیبیؔ کی غزل کے موضوعات کو کیسے متاثر کیا اس مقالے میں اس کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

موضوع کی اہمیت

غزل ایک ایسی صنف ہے جس میں موضوعاتی وسعت اور تنوع کی بڑی گنجائش موجود ہے۔ زیب النساء زیبیؔ نے غزل کی اس وسعت کو بھرپور طور پر استعمال کیا۔ اور اپنی غزل میں فنی تراش خراش، جمالیاتی تاثر اور حسن کاری کے ساتھ ساتھ عہد حاضر کی زیب کاریوں اور ظلم و ستم کا نہایت جرات و استقامت اور حریت فکر کے ساتھ پردہ چاک کیا ہے۔ زیب النساء زیبیؔ نے زمان و مکان میں بکھرے ہوئے دکھوں، آہوں، اشکوں اور کرب ناکیوں پر دل کھول کر لکھا اور تمام احساسات کو غزل کے پیرائے میں سمو دیا ہے۔

زیب النساء زیبیؔ صداقت کی متلاشی ہیں اور اپنے عہد کے مزاج کو بھی سمجھتی ہیں اور اس کے اسباب کا علم بھی رکھتی ہیں وہ سماج میں پھیلی ہوئی بدامنی، جہالت، ناخواندگی دہشت، خوف و ہراس، معاشرتی آلام، مجروح انسانیت، ضعیف الاعتقادی، توہم پرستی غربت کے بحر ظلمات فرسودہ رسم و رواج، مذہبی تفرقہ بندی، رشوت خوری، نوکر شاہی، شیطان صفت پیروں، جاگیرداروں، سرمایہ داروں، زرداروں، صنعت کاروں کی لوٹ مار، کمزور مزارعوں اور مظلوم عورتوں کی عصمت دریوں جیسے واقعات و حالات اور سماجی ناہمواریوں پر گہری نظر رکھتی ہیں۔ وہ اپنی غزل میں مجموعی انسانی صورتحال کا احاطہ کرتی ہیں۔ اور اس کی تشکیلِ نو کی لگن میں مصروفِ عمل بھی نظر آتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی غزل روح عصر سے ہم آہنگ ہے۔ اُن کی غزل اپنے عہد کی فکری صورتحال کی عکاسی کرتی ہے۔ زیبیؔ اپنے عہد کی سچی ترجمان بن کر سامنے آتی ہیں۔

بیان مسئلہ

ہر شاعر زمانے کا عکاس اور نباض ہوتا ہے۔ اپنے خیالات زمانے اور معاشرے کی صورتِ حال کے تناظر میں یوں پیش کرتا ہے کہ ہر لفظ میں زمانے کا درد اور حال صاف دکھائی دینے لگتا ہے اور یہی چیز ادب کو ہر زمانے میں معتبر حوالہ بناتی ہے۔ اسی طرح میری تحقیق کا موضوع بھی ایک شاعرہ کی شاعری کا موضوعاتی مطالعہ ہے۔

کسی بھی شاعر کے ہاں اس کے موضوعات کا مطالعہ کر کے اس شاعر کی عصری معنویت، معاشرتی ادبی کردار اور شعری عظمت کو سمجھا جا سکتا ہے۔ بے شک زیب النساء زیبیؔ نے اپنے عہد سے متعلق موضوعات کو بخوبی برتا ہے جن میں دہشت گردی، سیاسی مسائل اور عشق و محبت کے معاملات شامل ہیں اور یہی سماجی مسائل کی نشاندہی زیب النساء زیبیؔ کو ایک اہم شاعر بناتی ہے۔

مجوزہ موضوع پر ماقبل تحقیق

زیب النساء زیبیؔ کے غزلوں پر جامعاتی سطح پر ابھی تک کوئی کام نہیں ہوا۔ کسی بھی ادارے یا یونی ورسٹی نے مجوزہ موضوع پر کسی بھی قسم کا تحقیق کام نہیں کروایا۔ اس تناظر میں یہ بات واضح ہے کہ زیب النساء زیبیؔ کے غزل کے موضوعات پر کام ہو سکتا ہے۔

تحدید

میرے مقالے کا موضوع ''زیب النساء زیبیؔ کی غزل کا موضوعاتی جائزہ'' ہے۔ زیب النساء زیبیؔ کی غزلیات کے کل مجموعوں کی تعداد ۲۳ ہے۔ یہ تحقیقی کام کرتے ہوئے زیب النساء زیبیؔ کی غزل کے مجموعوں کو ملحوظ خاطر رکھا جائے گا۔ اس مقالے میں زیب النساء زیبیؔ کی غزل کے پانچ مجموعے شامل ہوں گے۔ زیب النساء زیبیؔ کی غزلیات کے پانچ مجموعوں میں ''تیری یاد آتی ہے''، ''دل میں ہیں آپ''، '' تم میرے ہو''، ''کوئے محبوب سے ہجرت''، ''ہوں تیرے دھیان میں'' کا موضوعاتی جائزہ لیا جائے گا۔

مقاصد تحقیق

مجوزہ تحقیق میں درج ذیل مقاصد پیش نظر ہوں گے۔

۱۔ زیب النساء زیبیؔ کی غزلوں کے موضوعات کا جائزہ لینا۔

۲۔ اُن کی غزل کے موضوعات کی نشاندہی کرتے ہوئے اُن کی فکر کا تجزیہ کرنا۔

۳۔ زیبی کی غزل کے موضوعات کو سامنے رکھتے ہوئے اُن کی غزل میں عصری آگاہی کا مطالعہ کرنا۔

تحقیقی سوالات

مجوزہ تحقیقی کام کے دوران درج ذیل سوالات سامنے رکھے جائیں گے۔

۱۔ اُردو غزل کی روایت میں موضوعات کیسے رہے ہیں؟

۲۔ پاکستانی غزل میں سیاسی، سماجی مسائل اور عشق و محبت کی نوعیت کیا رہی ہے؟

۳۔ زیب النساء زیبی کی غزل کے موضوعات عصری تناظر میں کیا اہمیت رکھتے ہیں؟

پس منظری مطالعہ

مجوزہ موضوع کے پس منظری مطالعے کے طور پر زیب النساء زیبی کی غزلیات کا جائزہ لیا جائے گا اور دیگر شعراء اور شاعرات کے کام کا اس حوالے سے جائزہ بھی پس منظری مطالعے میں شامل ہو گا۔

نظری دائرہ کار

بلاشبہ غزل نے ہر عہد کے موضوعات کو اپنے دامن میں سمویا ہے اور اتنی خوبصورتی سے ان کا اظہار کیا ہے کہ وہ موضوع غزل کے ہی ہو کر رہ گئے ہیں۔ سرشار صدیقی نے زیب النساء زیبی کے بارے میں لکھا کہ وہ ادبی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں وہ ادب کی مختلف اصناف پر طبع آزمائی کرنے والے شعراء میں صف اول میں نظر آتی ہیں۔ زیب النساز یبی نے غزل اور نظم میں بہت سے تجربات کیے ہیں وہ اپنی فکری صلاحیتوں اور ذہنی کاوشوں سے اُردو ادب کی خدمت میں روز و شب مصروف رہتی ہیں وہ ملکی اور ملی حالات سے ایک باخبر خاتون ہیں۔ ان کے دل میں قوم کا درد ہے۔ ان کا کلام دردمندی اور انسان دوستی کا مظہر ہے۔ وہ ظلم و ستم اور بربریت کے خلاف ہر محاذ پر صف آرا نظر آتی ہیں۔ اسی طرح زیب النساء زیبی نے موجودہ عہد کے اچھوتے موضوعات میں دہشت گردی، سیاسی انتشار اور ملکی صورتِ حال کے بدلے ہوئے منظر نامے کو شامل کیا ہے۔ اس لیے زیب النساء زیبی کی غزلوں کا موضوعاتی مطالعہ اس عہد کا اہم تجزیہ ہے جس سے اُردو غزل کی اہمیت اور عہدِ حاضر میں اس کی معنویت واضح ہو گی۔

تحقیقی طریقہ کار

اس مقالے کا موضوع چونکہ ''زیب النساء زیبی کی غزل کا موضوعاتی جائزہ'' ہے۔

درج ذیل تحقیقی طریقہ کار اپنائے جائیں گے۔

۱۔ دستاویزی طریقہ تحقیق

۲۔ تاریخی طریقہ تحقیق

۳۔ زیب النساء زیبی کہ اہل خانہ سے انٹرویوز

۴۔ جامعات اور نجی لائبریریوں سے حتی الوسعیٰ استفادہ کیا جائے گا۔

۵۔ متعلقہ تحقیقی رسائل و جرائد کو بھی تحقیق میں شامل کیا جائے گا۔

باب اول

زیب النساء زیبی احوال وآثار (اجمالی جائزہ)

ب۔ زیب النساء زیبی کا خاندانی پس منظر

زیب النساء زیبیؔ ۳ جولائی ۱۹۵۴ کو کراچی میں پیدا ہوئیں۔ زیب النساء زیبیؔ کے آباؤ اجداد کا تعلق ہندوستان سے ہے۔ ان کے والد دہلی کے مشہور علاقے صدر بازار قطب روڈ اور پھر کوچہ رحمان کے رہائشی تھے۔ جبکہ والدہ ہندوستان کے مردم خیز شہر آگرہ کی رہنے والی تھیں۔ ان کے والد فوج میں تھے انھوں نے ہند کے مشہور فوجی تکنیکی ادارے سے (IEME) کی تعلیم حاصل کی اور انڈین الیکٹریشن مکینکل انجنیئر کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ ۱۹۴۷ میں دہلی سے پنڈی تبادلہ ہوا اور تین ماہ راولپنڈی میں مقیم رہے پھر علاوہ ازیں جبل پور دھن باد میں چند سال بسلسلہ ملازمت مقیم رہے اُن کی فوج میں ترقی بطور مکینکل انسٹرکٹر ہوئی پہلی تنخواہ ۱۱۲ روپے مقرر ہوئی۔ جو ۱۵۰ تک جا پہنچی۔ والد صاحب کی جائیداد ننانوے برس کے لیے پٹے پر اُن کی اولاد کے لیے مختص تھی مگر وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پاکستان آگئے۔ اور یہاں آکر کسی بھی قسم کی کلیم سے گریز کیا۔ زیبیؔ کے والد انتہائی خدا ترس انسان تھے۔ اُن کی ساری عمر پڑھنے لکھنے میں گزری۔ وہ ایک بلند مرتبہ اور ذی علم شخص کی مانند دولت پر علم کو ترجیح دیتے تھے۔ زیبیؔ کے چار بھائی اور چار بہنیں ہیں۔ سب سے بڑے بھائی گلزار بیگ جو ایک بزنس مین پھر بہن مہر النساء مہر جو سابق ڈپٹی ڈائریکٹر حکومت سندھ رہیں۔ زیب النساء زیبیؔ محکمہ اطلاعات حکومت سندھ رہیں۔ بھائی محسن پرویز بیگ جو کہ ،ای،ایس، سی میں ملازمت کرتے تھے۔ ایک اور بھائی شاہین پرویز بیگ کنسٹرکشن کا کام کرتے تھے پھر نوید پرویز بیگ جن کا اپنا پرائیوٹ بزنس تھا ایک بہن وقار النساء جو بنک میں افسر رہی اور بہن شمس النساء شیمار جو شعبہ تدریس سے وابستہ رہیں۔ زیب النساء زیبیؔ نے ہوش سنبھالنے کے بعد ہی ٹوٹے پھوٹے شعروں کی مدد سے اپنی ذہنی تسکین کرنا شروع کر دی تھی۔ لیکن اُن کے کلام میں پختگی نہیں تھی۔ البتہ مسلسل حوصلہ افزائی کی وجہ سے اُن کے کلام میں نکھار پیدا ہوتا چلا گیا۔ وہ ابتداء میں ساحر لدھیانوی سے بہت زیادہ متاثر تھیں اور باقاعدہ شعر کہنے کا عمل اُن کے اشعار پڑھ کر شروع ہوا۔ اپنے ابتدائی دورِ سخن کے حوالے سے اُن کا کہنا ہے کہ میری والدہ نے خاص طور پر میری حوالہ افزائی کی۔ والد بھی اس سلسلے میں میری راہنمائی کیا کرتے تھے۔ رات گئے تک مشاعروں میں جانا اور مختلف ادبی پروگراموں میں شرکت کی بنیادی وجہ میرے والدین کی حوصلہ افزائی تھی۔ اُن کے مطابق اُن کی والدہ زیادہ

تعلیم یافتہ خاتون نہ تھیں مگر زمانے کے سرد و گرم سے واقف ایک جہان دیدہ خاتون تھیں۔ جن کی تربیت کی بدولت اُن کے فن و فکر میں نکھار آتا چلا گیا۔ اسی راہنمائی کی بدولت کانفرنسوں، ورکشاپوں اور سیمناروں میں شرکت کرنے میں اُنھیں کوئی دقت نہ ہوئی اور کامیابی اُن کے قدم چومتی رہی۔ والدین کی بہترین تربیت کی وجہ سے اُن کے تمام بہن بھائی نا صرف بلند مرتبہ عہدوں پر فائز ہوئے بلکہ اُن کے خاندان نے ایک بہتر اور امن پسند خاندان کے طور پر کراچی میں نام پیدا کیا۔ زیب النساء زیبی کی شہرت علم و فن کی دنیا میں اُن کا مقام اور مرتبہ سب والدین کی توجہ اور بہترین تربیت کی مرہون منت ہے۔ اُس کے والد پڑھنے لکھنے کے بہت زیادہ شائق تھے اور گھر میں ادبی و غیر ادبی کتابوں کی موجودگی میں اُن کی تربیت اس طرح ہوئی کہ انھیں معلومات اور علم کے اُن ذخیروں کی طرف رجوع کے لیے وہ تکالیف اٹھاتی نہیں پڑہیں۔ جس کا سامنا ایک نیم خواندہ اور تربیت سے عاری خاندان کو ہو سکتا ہے۔

ایک انٹرویو میں اپنے والد سے متعلق کہتی ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے۔

> بیٹا علم حاصل کرو۔ دولت حقیر شے ہے اور علم پیغمبروں کی میراث ہے۔ مالی مفلس ہونا گناہ نہیں ذہنی مفلس ہونا اللہ کو ناپسند ہے۔ ا

زیب النساء زیبی کا خاندان اپنی شرافت اور نجابت (اعلیٰ خاندان نام و نسب) کی وجہ سے دہلی میں خاص شہرت کا حامل تھا۔ اُن کی زمینیں اور جائیداد دہلی، آگرہ اور بلند شہر میں موجود تھیں۔ ضلع بلوان کے علاقے بلند شہر میں اُن کی جائیداد اولاً اُن کے دادا نیاز علی بیگ کے نام پر تھی۔ جو ۱۸۹۹ میں اُن کے نام پر منتقل ہوئی تھی اس کے بعد اُن کے والد اقبال بیگ اس جائیداد کے وارث ٹھہرے۔ اقبال بیگ کی ایک پھوپھی موضع پر گھنا راج پور میں صاحب جائیداد تھیں اُن کی رہائش دہلی سے بارہ کوس دور غازی آباد میں تھی۔ اُن کا شجرہ نسب والد اقبال بیگ، دادا نیاز علی بیگ، پر دادا باقر بیگ سے ہوتے ہوئے جدامجد جواہر بیگ سے جاملتا ہے جو عظیم مغل بادشاہ اکبر کے سپہ سالار تھے اُن کے دادا نیاز علی بیگ ایک اعلیٰ انجنیئر تھے جنھوں نے کئی بڑے تکنیکی مہارت پر مشتمل منصوبے مکمل کیے۔ جن میں تاج بلڈنگ پشاور اور سکھر بیراج کی تعمیر میں حصہ بھی شامل ہے۔

ایک انٹرویو میں اپنی دادی شرف النساء کے بارے میں بتلاتی ہیں۔

> دادی شرف النساء کی خالہ کہ بیٹی بیگم نورن تھیں جو زیبی کی والدہ کی ممیا ساس تھیں بیگم نورن نے ہی زیب النساء زیبی کے دادا نیاز علی بیگ کی شادی کرائی تھی۔ پاکستان میں جو

زیبی کے والد کے نام جائیداد تھی وہ انھوں نے مستحق اور بے سہارا لوگوں میں تقسیم کر دی تھی اور تمام جائیداد سے دستبردار ہو گئے۔ ۲

تعلیم و تربیت:

گورنمنٹ گرلز سکنڈری سکول سے ۱۹۷۱ء میں میٹرک تک کی تعلیم حاصل کی۔ انٹر کی تعلیم کے لیے اپوا کالج کراچی میں داخلہ لیا اور پھر اردو سائنس کالج یونیورسٹی روڈ سے بی ایس سی تک تعلیم حاصل کی۔ بی اے پرائیویٹ کیا۔ پھر ایم۔اے پولٹیکل سائنس اور ایم اے جرنلزم کی تعلیم کراچی یونی ورسٹی سے حاصل کی۔ انھوں نے اپنی گفتگو کے دوران کے بتایا۔

> بچپن میں ہی میں نے اپنے گھر میں کتابوں کا انبار دیکھا میرے والد کو پڑھنے لکھنے کا خاصہ شغف تھا۔ ہر موضوع پر کتاب میرے گھر میں موجود تھی۔ روسی ادب، میکسم گورکی کی کتاب ماں، ''ذلتوں کے مارے لوگ'' بار بار پڑھی گو کہ اُس وقت یہ باتیں اتنی سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ لیکن مجموعی طور پر عام انسان کی بھلائی کے لیے ایک تاثر دماغ میں گھر کر گیا۔ اس کے علاوہ منٹو، کرشن چندر، عصمت چغتائی، قراۃ العین حیدر، پریم چند، جالب، فیض احمد فیض، جوش اقبال اور اس طرح کے بے شمار ادیبوں اور مصنفین کا بہت کم عمری میں ہی مطالعہ کیا۔ ۳

میٹرک تک ہمیں کسی ٹیوشن کی ضرورت نہیں پڑی۔ تعلیم کے علاوہ دیگر سرگرمیوں میں سکول کالج کے زمانے میں بہت سے انٹر کالجیٹ مشاعروں اور تقریری مقابلوں مباحثوں میں انعامات جیت کر لاتی رہی۔ میٹرک کی الودعی پارٹی میں ایک نظم لکھی۔ اُس پر فرسٹ پرائز ملا۔ فنیسی ڈریس شو اور ڈرامے میں حصہ لیا یوں ایک ہی تقریب کے تینوں انعامات وصول کیے۔

ملازمت

سرکاری افسر اطلاعات محکمہ اطلاعات حکومت سندھ میں ۲۸ سال ملازمت کی۔ پہلے جونیئر ٹرانسلیٹر پھر سنیئر ٹرانسلیٹر اور پھر افسر اطلاعات رہیں۔ سی ایس ایس اور پی سی ایس کا امتحان دیا لیکن اس سے قبل گریڈ ۱۷ میں ملازمت ہو گئی تھی۔ سرکاری ملازمت میں رہتے ہوئے لکھنے پڑھنے کا عمل رہا اور بلا معاوضہ مختلف اخبارات میں کالم، مضامین انٹرویو، سروے وغیرہ لکھتی رہیں۔ ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد مونٹسری ٹیچر ٹرننگ انسٹرکٹر کی حیثیت سے اساتذہ کی درس و تدریس کے سلسلہ جاری رکھا۔ ماسٹر لیول کی کلاسیس اردو کے حوالے

سے اُردو کے مضامین، انگلش لینگوئج کی کلاسیس بھی لیتی رہیں۔ اور پی ایچ ڈی اور ایم فل کے طلبہ و طالبات کی راہنمائی کلاسسز بھی لیتی ہیں۔

ازدواجی زندگی

محمد اقبال شیخ جن کے والدین کا تعلق بھی دہلی سے ہے اُن سے شادی ہوئی وہ بھی سابق سرکاری افسر محکمہ اطلاعات حکومت سندھ تھے۔اُن کے والد مقرب حسین دہلوی ہندوستان میں مختلف اخبارات اور میگزین کے ایڈیٹر رہے۔ بہترین شاعر مزاح نگار اور فکاہیہ کالم نویس لکھتے تھے۔ زیب النساء زیبیؔ نے اپنی اولاد کے بارے میں یوں وضاحت کی۔

> دو بٹیاں ہیں بڑی بیٹی عنبرین افشاں ہیں جو کہ پروگرامر اور گرافک ڈیزائنر کے ساتھ ساتھ اولیول اور اے لیول کی کمپیوٹر انسٹرکیٹر رہیں وہ سابق پرنسپل سینٹ فرانس اسکول گلشن اقبالاور دیگر تعلیمی اداروں میں درس وتدریس کے فرائض بھی پر سرانجام دیتی رہیں۔ یہ شادی شدہ ہیں اور کراچی میں مقیم ہیں۔ جبکہ عنبرین افشاں اور دوسری بیٹی سحرین درخشاں نے بی سی ایس اسٹریلیا سے منظور شدہ ادارے سے کیا اور چھوٹی بیٹی سحرین درخشاں، نیٹ ورکنگ انجینئر اور سابق ملازمت میں کمپیوٹر انسٹرکٹر سرسید یونی ورسٹی کراچی رہی ہیں یہ بھی شادی شدہ ہیں اور کینڈا میں مقیم ہیں اور تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ ۴

ازدواجی زندگی بہت خوشگوار اور ذہنی ہم آہنگی ہے اور میری فنی اور ادبی زندگی کے پیچھے میرے شوہر اقبال کا ہاتھ ہے جنہوں نے ہر قدم پر میری ہر لحاظ سے بہتر طور پر رہنمائی کی۔

مشاغل

زیب النساء زیبیؔ کی بیٹی عیبرین افشاں سے فون پر گفتگو ہوئی تو اُنھوں نے اُن کے مشاغل کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔

> امی جان کے مشاغل وقت اور حالات کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں مگر بنیادی طور پر پڑھنا اور لکھنا ہی اُن کا اہم مشغلہ رہا ہے۔ایک زمانے میں انھیں باغبانی کا بہت شوق تھا، اتنی بیماری کے باوجود بنیادی طور پر کتابوں سے محبت اور پڑھنے لکھنے کا شوق روز بروز بڑھتا ہی جارہا ہے۔احباب سے ملنے اور مختلف اجنبی لوگوں سے مل کر

وہ اچھا محسوس کرتی ہیں۔انھوں نے اپنی زندگی میں جتنا بھی ابھی تک لکھا ہے وہ لوگوں کے مسائل سن کر لکھا ہے۔اُن کے تجربات اُن کی زندگیوں کے بارے میں جان کر وہ اپنی تخلیقات کے موضوع تلاش کرتی ہیں۔ انھیں عام لوگوں سے جڑا رہنا اچھا لگتا ہے۔وہ اُن کے ساتھ رہنا پسند کرتی ہیں۔گاؤں،دیہاتوں اور دشوار گزار راستوں سے گزر کر وہ لوگوں تک پہنچی ہیں اور اُن سے حالات کی حقیقی آگاہی حاصل کرتی ہیں۔۵

ادبی سرگرمیاں:

ابتدا میں ایک بزرگ شاعر شرف خورجوئی کو کلام دکھایا۔ پھر رئیس امروہوی سے کچھ عرصے مشاورت کی اور شادی کے بعد مقرب حسین دہلوی نے کلام کی اصلاح کی اور پھر اپنے عہد کے مختلف شعراء سے وقتاً فوقتاً مشاورت کی اور اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو مزید نکھار بخشا۔ان شعراء میں ذکی عثمانی اور محسن اعظم محسن ملیح آبادی کا نام سرفہرست ہے۔جب میں اپنی کلیات کی اشاعت کا بیڑہ اُٹھایا تو مجھے اپنے ارد گرد کوئی ایسا شاعر نظر نہ آیا جو میری شاعری کی ہر صنف پر عبور رکھتا ہو اور میں اپنا کلام کسی کو دکھا کر راہنمائی لے سکوں۔ادبی سرگرمیوں کے حوالے سے زیب النساء زیبیؔ کے شوہر محمد اقبال سے اسلام آباد میں گفتگو ہوئی تو انہوں نے بتایا۔

> زیبیؔ اپنی چالیس سالہ ادبی حوالے سے ایک کلیات لانا چاہتی تھیں۔تو ستر سے زائد نظم کی اصنافِ سخن کی عروض بحور سے واقف دنیائے ادب میں دور دور تک اُنھیں کوئی استاد نظر نہیں آیا تو اُن کے اطراف مایوسی پھیل گئی لیکن پھر اچانک محسن اعظم محسن ملیح آبادی سے رابطہ ہوا اور انھوں نے اپنی کلیات مسودہ انھیں پیش کیا اور اُس وقت اُن کی حیرت اور خوشی کی انتہا نہ رہی جب اُن کے علم میں آیا کہ محسن اعظم نے اُن کی کہی ہوئی نظم کی ستر اصناف کی تمام عروض بحو و بہت مہارت سے جانچا اور پرکھا اور جہاں کوئی کمی بیشی نظر آئی تو اصلاح فرمائی بلکہ صرف یہی نہیں انھوں اکادمی ادبیات کے کہنے پر میری بیوی زیب النساء زیبیؔ کی شاعری اور شخصیت کے حوالے سے ایک آٹھ سو صفحے کی کتاب بھی تحریر کی۔٦

کتاب کا دوسرا حصہ میں نثر نگاری کی مختلف اصناف شامل ہیں جن میں افسانے، ناولٹ ناول تحقیق و تنقیدی جائزے وغیرہ شامل ہیں۔''دستک دیوانے'' کے نام سے حریت میں کالم بھی لکھا اسی طرح''اظہار''، ''اسرار''اور''مشرق'' میں بھی کالم لکھتی رہیں۔اخبار خواتین میں''زیبیؔ کی ڈائری'' کے عنوان سے لکھتی

رہیں۔ بے شمار بڑی شخصیات جن میں بیگم کرشن چندر (سلمیٰ صدیقی) اینتا غلام علی اور دیگر بے شمار ادبی شخصیات سے انٹرویو کیے۔ زیب النساء زیبیؔ کے شوہر محمد اقبال نے بتایا کہ سب

> سب سے پہلے شاعری کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد مضمون نویسی اور پھر افسانہ نگاری اور وقت کے ساتھ ساتھ کالم نگاری، تحقیق و تنقید اور تراجم کی طرف بھی توجہ کی۔ انٹر کالجیٹ مشاعروں میں حصہ لیا۔ مضمون نویسی کے مقابلوں میں حصہ لیا اور بہترین مقررہ بھی رہیں۔ ۷

ج۔ پاکستانی غزل کا موضوعاتی مطالعہ

دیوانِ ولیؔ کے شمالی ہند میں پہنچے سے لے کر بیسویں صدی کے آغا تک اُردو غزل کئی تحریکوں اور رجحانات سے متاثر ہو کر لغوی اور فنی لحاظ سے اپنے آپ کو عروج پر پہنچا چکی تھی۔ اپنے اسی دور میں اس پر گردن زدنی اور نیم وحشی صنف سخن ہونے کے الزامات بھی لگے۔ اس کے باوجود غزل نے نہ صرف اپنے وجود کو برقرار رکھا بلکہ اپنے دامن کو موضوعاتی لحاظ سے وسعت بھی بخشی۔ بیسویں صدی کے ابتدا ہی میں سیاسی اور ادبی میدان میں حالات اور نظریات کی نئی نئی صورتیں ظاہر ہو رہی تھیں۔ سیاسی طور پر دو عالمی جنگوں اور انقلاب فرانس نے اسے موضوعاتی طور پر متاثر کیا۔ سانحہ کانپور اور سانحہ جلیانوالہ باغ نے بھی ادبا کر ہلا کر رکھ دیا اور غزل میں سوز و ساز کی باتیں بھی ہونے لگیں اور حکمرانوں کی بربریت کو بھی موضوع بنایا گیا۔ فکری طور پر مارکس اور فرائیڈ کے نظریات نے بھی اُردو ادب کو متاثر کیا اور ان نظریات کے تحت شعرا نے انسان کے داخل اور خارج کو غزل کا باقاعدہ ایک موضوع بنایا۔

اُردو غزل انیسویں صدی میں رونما ہونے والی ادبی تحریکات کے اثرات کے ساتھ جب بیسویں صدی میں داخل ہوئی تو بیسویں صدی کی ادبی تحریکات نے اس کے موضوعات کو مزید وسعت دی۔ سب سے پہلے رومانوی تحریک نے اُردو غزل کو موجودہ حالات سے برگشتگی اور قدامت سے بغاوت کا رجحان دیا اور ماورائی دنیاؤں کی تلاش و تخلیق غزل کے اہم موضوع ٹھہرے۔ فطرت نگاری ہندوستانی تمدن اور وطن پرستی جیسے موضوعات بھی شعرا کی نظر میں رہے۔ جمالیاتی نظریوں کو فروغ حاصل ہوا اور شعرا نے ایک صحت مندانہ تصورِ عشق کو غزل کا حصہ بنایا۔

رومانوی تحریک کے ختم ہوتے ہی ترقی پسند تحریک سامنے آئی جس نے ادب کو اشتراکی نظریے کی ترویج کے لیے اپنا آلہ کار بنایا۔ ترقی پسند شعرا نے ابتدا میں اپنے نظریے کی ترویج کے لیے شاعری میں نظم کو ہی

بہتر جانااور غزل کو رجائیت پسند صنف سخن قرار دیتے ہوئے اس سے دور ہی رہے۔ لیکن بعد میں ان شعرا نے غزل کی طرف بھی توجہ دی اور غزل میں سیاسی بے اعتدالیوں ، عصری حقائق اور صداقتوں کے بیان کو اپنا موضوع بنایا۔

یہ شام و سحر یہ شمس و قمر یہ اختر و کوکب اپنے ہیں
یہ لوح و قلم، یہ طبل و علم یہ مال و حشم سب اپنے ہیں

(نسخہ ہائے وفا دست صبا، دوسری آواز، فیض احمد فیض، ص،۹۱)

اگر گھنا ہوا اندھیرا گر ہو دور سویرا
تو یہ اصول ہے میرا کہ دل کا دیپ جلاؤ

(ندیم کی غزلیں، شعلہ گل، احمد ندیم قاسمی، ص،۷۰۸)

ترقی پسند تحریک کے چند سال بعد ہی حلقہ اربابِ ذوق کی تحریک سامنے آئی۔ جس نے غزل میں ان موضوعات کو سمونے کی کوشش کی کہ جن سے ترقی پسند شعرا اجتناب کرتے رہے۔ حلقہ ارباب ذوق سے وابستہ شعرا نے گرد و پیش کی زندگی اور اس کے مسائل کے بیان کے لیے رمزیہ اور علامتی اسلوب اختیار کیا۔ کیونکہ حلقہ ادب کی تخلیق میں نظریاتی پابندی کی مخالفت کرتا تھا اس لیے شعرا نے غزل کے موضوعاتی دائروں کو وسعت بخشی اور اُردو غزل ہر طرح کے موضوعات کو بیان کرنے کے قابل ہوئی۔

تم پاس نہیں ہو تو عجب حال ہے دل کا
یوں جیسے میں کچھ رکھ کے کہیں بھول گئی ہوں

(کلیات ادا جعفری، موسم موسم، ص،۲۱۵)

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کا سورج برصغیر کے مسلمانوں کی آزادی کی نوید لے کر طلوع ہوا لیکن اس آزادی کا سورج طلوع ہوتے ہی ہر طرف قتل و غارت گری کا بازار بھی گرم ہو گیا۔ ملک کے کئی شہروں اور قصبوں میں حالات قابو سے باہر تھے خصوصاً پنجاب کی حالت سب سے زیادہ دردناک تھی۔ جہاں نہ صرف گھر جلائے گئے بلکہ ان گھروں کے باسیوں کو بھی زندہ ہی جلا دیا گیا۔ ہجرت کا عمل شروع ہوا تو اس مقصد کے لیے چلائی جانے والی خصوصی ٹرینوں کو روک روک کر خون کی ہولی کھیلی گئی۔ گویا دونوں ملکوں کے درمیان حد بندی کے لیے خون کی گہری لکیر کھینچ دی گئی اور لٹے پٹے زخموں سے چور لاکھوں انسان بے یار و مددگار کھلے آسمان تلے غیروں کی ستم ظریفی اور کچھ اپنوں کی کج ادائی پر آنسو بہاتے اپنے ماضی پر نوحہ کناں تھے۔

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار لکھتے ہیں:

> اگست ۱۹۴۷ء جہاں صبح آزادی کے طلوع کا مظہر تھا، وہاں یہ بر عظیم کے دامن تہذیب پر ایک گھناؤنے دھبتے کا نشان بھی چھوڑ گیا۔ اس انقلاب نے طمانیت کے ساتھ ساتھ لوگوں کے جسموں، ذہنوں اور روحوں پر ایسے ایسے چرکے لگائے کہ جن کی کسک دیر تک محسوس ہوتی رہے گی۔۸

ادبا کے ذہنوں اور دلوں سے تو ابھی انگریزوں کی محکومی کے دکھ بھی باہر نہ نکل پائے تھے کہ اب اُنھیں فسادات، قتل و غارت گری اور ہجرت جیسے دکھ سہنے پڑ رہے تھے۔ انسان کی عزت و ناموس کی بربادی اور انسانی قدروں کی پامالی کی کسک بھی ہر دل کو خون کے آنسو رُلا رہی تھی۔ گویا آزادی کے پردے میں یہ سارے دکھ اور المیے تھے جو پاکستانی شعرا کو ورثے میں ملے۔

عفت آرا اس حوالے سے لکھتی ہیں

> قیامِ پاکستان سے قبل غزل میں جو موضوعات اور مضامین بیان ہو رہے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ان موضوعات میں ہجرت، فسادات، قتل و غارت گری کے موضوعات کا مزید اضافہ ہوا، لیکن یہ موضوعات بھی پہلے پہل روایتی انداز ہی میں بیان ہوئے جس کی وجہ سے ۱۹۴۷ء تک اور اس کے کچھ عرصہ بعد تک اُردو کی جدید شاعری میں کوئی موضوعاتی فرق نظر نہیں آتا۔۹

۲۰ء کی دہائی اور پھر اس کے بعد کی غزل میں ایک موضوعاتی تنوع نظر آتا ہے۔ اب غزل میں صرف ہجر و وصال اور ذاتی کرب کی باتیں ہی نہیں بلکہ شعرا نے سیاسی حالات اور اپنے سماجی مسائل کو بھی غزل کے موضوعات میں واضح طور پر شامل کرنا شروع کیا۔

ڈاکٹر ممتاز الحق لکھتے ہیں:

> نئی غزل میں موجودہ سیاسی صورتِ حال اور سماجی مسائل کی بھی عکاسی ملتی ہے۔ نئے غزل گو نے ذات کے بحران، تنہائی کے کرب، وجود کی لایعنیت، زندگی کی بے مقصدیت وغیرہ نفسیاتی الجھنوں اور ذہنی کشمکش وغیرہ پر ہی اپنی توجہ مرکوز نہیں رکھی بلکہ کھلی آنکھوں سے اپنے گرد و پیش کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ سیاسی

حالات اور سماجی مسائل کو بھی انھوں نے تماشائی کی حیثیت سے نہیں دیکھا بلکہ
اس میں شریک بھی رہے اور ان مسائل کی سختیوں کو برداشت بھی کیا۔ ۱۰

قیامِ پاکستان کے بعد کی نسل کو کئی مسائل درپیش تھے اور دوسری عالمی جنگ کے بعد حالات میں بھی ایسا الجھاؤ پیدا ہو چکا تھا کہ جس نے زندگی کو کئی سوالات سے دوچار کیا۔

نظیر صدیقی ان مسائل اور سوالات کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

اس میں شک نہیں کہ حالات میں جتنا الجھاؤ آج یعنی بیسویں صدی میں ہے اتنا پہلے کبھی نہ تھا اور یہ بھی واقعہ ہے کہ زندگی آج جن سوالات سے دوچار ہے وہ یا تو پہلے سامنے نہیں آئے تھے یا اس قدر شدت کے ساتھ پہلے نہیں ابھرے تھے۔ ادیبوں اور شاعروں کی جدید تر یا جدید ترین نسل آج جن مسائل سے نبرد آزما ہے، ان میں سے چند یہ ہیں: ۱۔ اپنی ذات کے ادراک کا مسئلہ جو دائمی مسئلہ رہا ہے لیکن دوسری جنگِ عظیم کے بعد جس نے ایک نئی شدت اختیار کر لی ہے۔ جدید انسان یہ جاننے کے لیے بے چین ہے کہ وہ کیا ہے؟ کیوں ہے اور کس لیے ہے؟ ۲۔ انسان کی عصری تنہائی کا مسئلہ، دنیا کی آبادی جتنی بڑھتی جاتی ہے۔ انسانی روحانی تنہائی میں اتنا ہی اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ۳۔ ہر قسم کی اقدار سے برگشتگی اور بغاوت، محبت، مذہب، معاشرہ غرض کہ ہر چیز کی طرف سے بے اطمینانی اور بے اعتقادی۔ ۴۔ معاشرے میں فرد کے بے حیثیت اور بے وقعت ہونے کا روز افزوں احساس۔ ۵۔ وقت کی ہلاکت آفرینیاں اور تباہ کاریاں۔ ۶۔ حقائق اور عقائد کی کشمکش۔ ۱۱

ان بیان کردہ تمام مسائل میں سب سے اہم مسئلہ تنہائی کا مسئلہ ہے، جو ازل سے ہی انسان کے ساتھ ہے اور تقریباً دنیا کے ہر ادب میں یہ موضوع داخل رہا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کے حالات و واقعات کے سبب یہ مسئلہ اس دور کے انسان کے ذہن اور روح میں اس طرح رچ بس گیا ہے کہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا ممکن نہیں رہا۔

ڈاکٹر لطف الرحمن کے مطابق:

موجودہ برق رفتار زندگی نے فرد کو ہم نشینی و یکجائی کی دولت سے محروم کر کے بالکل تنہا بنا دیا ہے۔ دوسروں سے فرد کا رشتہ ترسیل و ابلاغ ٹوٹ چکا ہے۔ آج آدمی کی سب سے بڑی آرزو بس یہ ہے کہ کوئی اس کو سمجھ سکے، اس کی داخلیت کا ہمدرد بن سکے۔ ۱۲

جدید غزل گو شعراء نے اپنے تنہائی کے ان احساسات کو بڑی درد مندی کے ساتھ غزل میں سمویا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

ہر روز تبسم ہے تجھے ہجر کا رونا
کم بخت تیری شومی قسمت نہیں جاتی

(کلیات، صوفی تبسم، ص ۱۰۴)

اس دور میں انسان کو اپنی زندگی کی بے معنویت کا احساس اس قدر ہوا کہ انسان کا زندگی پر سے یقین بھی ڈگمگانے لگا۔ آج کے اس دور میں انسان کی جگہ مشینوں نے لے لی ہے اور اس کی ناقدری اور احساسِ محرومی کی وجہ بھی یہی ہے۔

یہی رشتوں کا کارخانہ ہے
اک مشین اور اس کے پاس مشین

(شاہد، جون ایلیا، ص ۱۲۸)

مزید برآں اس زمانے میں ہجرت، فسادات، ظلم و ستم اور افراتفری نے انسان کو بے یقینی کے راہ پر لا کھڑا کیا۔ جہاں تباہی و بربادی کے مناظر کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ جدید غزل میں جہاں ان حالات کو موضوع بنایا گیا ہے وہاں ان کے خلاف ایک ردِ عمل کا اظہار بھی ملتا ہے۔ زاہدہ زیدی لکھتی ہیں:

عصری غزل کے حالیہ نمونوں میں ایسے اشعار کی بھی کمی نہیں جن میں عصری زندگی میں پیوست ظلم و ستم، ناانصافی، ریاکاری، جھوٹ اور افراتفری کے خلاف رد عمل کا اظہار ہوا ہے اور جن میں پروٹسٹ یا احتجاج کی زیریں لہریں محسوس کی جاسکتی ہیں۔ ۱۳

یہی مجبور ، یہی مہر بلب، بے آواز
پوچھنے پر کبھی آئیں تو غضب پوچھتے ہیں

(افتخار عارف، کتاب دل و دنیا، ص، ۳۵۹)

ہر زمانے میں ظلم و جبر کے سامنے کھڑے ہونے والے انسانوں کی کمی نہیں رہی ہے جو بادشاہِ وقت کے سامنے جراتِ اظہار کرنے میں کوئی ڈر نہیں رکھتے اور بے باکی سے اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہیں۔

اب صداؤں کو کوئی زنجیر کر سکتا نہیں
جراتوں کی روشنی پیدا ہوئی اظہار میں

(فارغ بخاری، خوشبو کا سفر، ص، ۱۳۴)

طوفان تھا، ہجوم کل تھا، کیا تھا
گزرے ہیں یہ کس دیار سے ہم

(قیوم نظر قلب و نظر کے سلسلے، ص، ۲۶۷)

مجموعی طور پر اگر اس دور کی غزل کا موضوعاتی حوالے سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کی غزل نے ان تمام خیالات کو اپنا موضوع بنایا جن کے اظہار کے لیے غزل کے دامن کو تنگ سمجھتے ہوئے شعرا نے نظم کا سہارا لیا تھا۔ نئے نئے موضوعات کو غزل میں سمونے سے نہ صرف غزل کی تنگ دامنی کا احساس رفع ہوا بلکہ غزل کو اپنے نکتہ چینیوں سے بھی وقتی طور پر چھٹکارا حاصل ہوا۔ اس دور کی غزل میں وہ تمام مسائل بیان ہوئے جو اس دور کے انسان کے اصل مسائل تھے۔ اس طرح یہ غزل اپنے دور کی مکمل عکاس نظر آتی ہے۔

زیب النساء زیبی کا خاندان علمی و ادبی طور پر نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔ بچپن میں کتابوں سے جڑے رہنے کی وجہ سے اُن کی شخصیت میں گہرائی پیدا ہوئی۔ بطور ٹرانسلیٹر اور افسر اطلاعات حکومت سندھ کے ساتھ کام کرنے کی وجہ سے اُن کا تجرباتی دور ایک لمبے عرصے پر محیط ہے۔ جس میں سندھ بطور خاص اور ملک کے دیگر علاقے بالعموم اُن کی نظروں اور تجربات سے گزرے۔ ان کی تجربات بھری زندگی نے اُن کی ادبی زندگی پر بہت گہرے اثرات مرتب کیے۔ وہ یورپ اور امریکہ کا سفر بھی کر چکی ہیں۔ جس کی وجہ سے اُن کا فکری کینوس وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ لوگوں سے ملنے تہذیبوں کے مشاہدے اور گاؤں دیہاتوں میں رہنے والی خواتین اور اُن سے وابستہ مسائل اُن کے موضوعات میں خاص طور پر شامل ہیں۔ اُن کی شخصیت کی مختلف پرتوں کی طرح اُن کا ادبی کام بھی بہت زیادہ تنوع کا حامل ہے۔ اُن کی شاعری میں قطعات کے علاوہ رومانوی اور مزاحمتی غزلیں اور نظمیں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ منقبت، سلام، اور حمدیہ شاعری بھی اُن کے کلام میں شامل ہیں۔ اُن کے کلام میں ''سخن تمام'' کے عنوان سے ستر سے زائد شعری اصناف پر دنیا کی پہلی کلیات مع مضامین شائع کی گئی ہے۔ وہ ''سوالنے'' کے نام سے ایک نئی شعری صنف کی موجد بھی ہیں۔ علاوہ ازیں ''تردینی'' جیسی نئی مگر موثر

طور پر مقبول صنف سخن میں اُن کا پہلا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ حکومت پاکستان نے اُن کی علمی و ادبی سرگرمیوں کی بنیاد پر ''کراچی'' کی ایک شاہراہ کو اُن کے نام سے منسوب کر دیا ہے۔

زیب النساء زیبی کی غزل کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی تمام ادبی سرگرمیوں کو گھریلو ذمہ داریوں کے باوجود جاری رکھا ہوا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد چند برسوں کے علاوہ پاکستان ہمیشہ سیاسی و معاشی طور پر دگرگوں حالات کا سامنا کرتا رہا ہے۔ سیاسی طور پر غیر مستحکم پاکستان کو آج بھی سخت مشکل معاشی و سیاسی چیلینجز پیش ہیں۔ ان مشکلات سے نبرد آزما ہونے کے لیے پر اُمید ہونا نہایت ضروری ہے۔ پاکستان کے سیاسی و معاشی حالات کے تناظر میں اُردو غزل کا مجموعی جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستانی شعراء نے زندگی کے ہر رنگ، فکر اور جذبے کا غزل کو حصہ بنانے کی تگ و دو کی ہے۔ اگرچہ ساخت کے لحاظ سے اُردو غزل کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا مگر اس کے باوجود، اس کی گہرائی نے تمام موضوعات کو باآسانی سمیٹ لیا ہے۔ اُردو غزل کی ساخت کو توڑنے کے لیے ساٹھ اور ستر کی دہائی میں کئی تجربات ہوئے مگر اس کے باوجود وہ ناکامی سے دو چار ہوئے۔ غزل نے اپنی ساخت میں تبدیلی کو یکسر مسترد کر دیا۔ بیسویں صدی کی مختلف محرکات میں غزل میں وسعت کا جو سفر شروع کیا تھا وہ ہنوز جاری و ساری ہے۔ پہلے پہل فطرت نگاری، غزل میں شامل ہوئی۔ پھر ہندوستانی تمدن اور وطن پرستی کے موضوعات غزل کا حصہ بنے۔ پھر رومانوی تحریک نے غزل پر اپنا رنگ جمایا۔ رومانوی تحریک کے کمزور ہوتے ہی ترقی پسندی کی تحریک نے اپنے اشتراکی نظریے کی ترویج کے لیے اُردو غزل کو بطور آلہ استعمال کیا۔ گو ترقی پسند شعراء نے اُردو غزل کو رجعت پسند صنفِ سخن قرار دیتے ہوئے اس سے دور رہنے کی کوشش کی مگر اس کے باوجود اُن کے کلام میں غزل کو خاص اہمیت حاصل رہی۔ حلقہ اربابِ ذوق نے رومانیت کے ساتھ ساتھ ترقی پسندی کو بھی اہمیت دی۔ حلقہ اربابِ ذوق میں غزلیں کہنے والے شعراء میں ترقی پسند اور رومانوی شعراء دونوں شامل تھے۔ ساٹھ کی دہائی اور اسی کی دہائی میں مزاحمتی ادب نے ترقی کی اور اُردو غزل کے مزاحمتی ادب میں انتہائی کردار ادا کیا۔ یوں اُردو غزل اُن تمام موضوعات کو بیان کرنے کے قابل ہوئی ہے جو اب تک کے طویل سفر میں اُس کو درپیش آئے ہیں۔ ہر تحریک اور رجحان نے اُردو غزل کو وسیع سے وسیع تر کرنے میں مدد کی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ زیب النساء زیبیؔ، (انٹرویو) از مقالہ نگار، راولپنڈی، ۱۲ جولائی ۲۰۱۷ء بوقت گیارہ بجے دن

۲۔ ایضاً، اسلام آباد، ۱۳ جولائی ۲۰۱۷ء بوقت دو بجے دن

۳۔ ایضاً، راولپنڈی، ۱۵ جولائی ۲۰۱۷ء بوقت سات بجے شام

۴۔ ایضاً، راولپنڈی، ۱۷ جولائی ۲۰۱۷ء بوقت پانچ بجے شام

۵۔ مقالہ نگار کا عنبرین افشاں سے انٹرویو، بذریعہ ٹیلی فون، تاریخ، ۱۸ جولائی ۲۰۱۷ء

۶۔ ایضاً، راولپنڈی، ۳ مارچ ۲۰۱۸ء بوقت گیارہ بجے دن

۷۔ محمد اقبال، (انٹرویو) از مقالہ نگار، راولپنڈی، ۴ مارچ ۲۰۱۸ء بوقت دس بجے صبح

۸۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، اُردو شاعری کا سیاسی پس منظر، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء، ص ۴۹۴۔

۹۔ عفت آرا، نئی شاعری کا مزاج مشمولہ نئی شاعری، مرتبہ: افتخار جالب، ص ۳۰۰، س۔ن

۱۰۔ ممتاز الحق، ڈاکٹر، جدید غزل کا فنی، سیاسی و سماجی مطالعہ، ص ۱۷، س۔ن

۱۱۔ نظیر صدیقی، ''جدید اُردو غزل کا ایک مطالعہ،'' گلوب پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۴ء، ص ۸۲

۱۲۔ لطف الرحمٰن، ڈاکٹر، احساس تنہائی اور نئی مشمولہ معاصر اُردو غزل مرتبہ: پروفیسر قمر رئیس، دہلی، اُردو اکادمی، ۱۹۹۴ء، ص ۸۱۔

۱۳۔ زاہدہ زیدی، عصری غزل کا منظر نامہ مشمولہ معاصر اُردو غزل مرتبہ: پروفیسر قمر رئیس، دہلی، اُردو اکادمی، ۱۹۹۴ء، ص ۲۰۳۔

باب دوم

زیب النساء زیبیؔ کی غزل میں رومانوی موضوعات

الف۔ غزل کا کلاسیکی یا روایتی انداز:

غزل اُردو اور فارسی زبان کی سب سے اہم شعری صنف ہے غزل کو اصطلاحاً گفتگو'' بہ زنان کردن'' یا گفتگو'' در بار زنان کردن'' کے روایتی معنوں میں لیا جاتا ہے فارسی میں مذکورہ دونوں اصطلاحیں عورتوں سے باتیں کرنا یا عورتوں کے بارے میں باتیں کرنا مراد لیا جاتا ہے۔ بعض روایت شناس کہتے ہیں کہ غزل دراصل ''غزال'' سے ماخوذ ہے اور غزال فارسی میں'' ہرن'' کو کہتے ہیں روایت شناسوں کے مطابق جب ہرن کسی درندے کے ہاتھوں شکار ہوتا ہے تو موت سے قبل تکلیف کے عالم میں جو آخری آواز اُس کے گلے سے برآمد ہوتی ہے اُسے ''غزل'' کہتے ہیں۔ غزل کے بارے میں تحقیق کرنے والے محققین اس بات پر متفق ہیں کہ غزل فارسی سے اُردو میں متعارف ہوئی۔ علامہ شبلی نعمانی نے اپنی تصنیف ''شعر العجم'' میں غزل کی روایت کے بارے میں بات کرتے ہوئے لکھا تھا کہ غزل عربی قصیدے سے اُردو میں آئی ہے۔ قصیدے کی تشبیب کو قصیدے سے الگ کر کے ایک قلم کی صورت میں فارسی میں متعارف کروایا گیا۔ جس نے فارسی میں خوب ترقی کی۔ فارسی میں مثنوی اور نظم مرثیہ جیسی اصناف سخن بھی موجود ہیں۔ لیکن کوئی صنف بالادست نہیں ہو سکی۔ ایک مدت دراز سے فارسی میں غزل لکھی اور کہی جارہی ہے۔ لہذا اس کا رنگ، ڈھنگ اور لباس سب فارسی ادب سے قربت رکھتے ہیں اور یہ قربت اس قدر زیادہ ہے کہ اگر فارسی میں سے غزل کو نکال دیا جائے تو ادب کا بیشتر ذخیرہ آنکھوں سے اوجھل ہو جائے گا۔

صدیوں تک ترکی اور ایرانی نژاد حکمران خاندان برصغیر پاک و ہند کے حکمران رہے اور ان سالوں میں فارسی ادب روز بروز ایک اجنبی سرزمین پر ترقی کرتا رہا۔ یہ بات اہم ہے کہ فارسی زبان ایک لمبے عرصے تک مغلوں اور دیگر ترک حکمران خاندانوں کے ادوار میں سرکاری زبان رہی مگر آبادی کا ایک بڑا حصہ ایسا بھی تھا جس میں ترکی اور فارسی کو ایک اجنبی زبانیں سمجھتے ہوئے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا اتنے عرصے تک اُردو زبان ہندوستان کے طول و عرض میں زیادہ عام فہم رہی ولیؔ کی ہندوستان آمد سے قبل شمالی اور بالخصوص جنوبی ہندوستان میں اُردو غزل کو ترقی ملی مگر فارسی میں موجود مضامین کو اولین بار ولیؔ نے اُردو شعری ادب میں متعارف کروایا۔ سید محمد ولیؔ بہ المعروف 'ولی' ہندوستان میں اُردو شعر کہنے والا وہ پہلا شخص تھا جس نے فارسی

ادب میں برتے جانے والے مضامین کو نہایت کامیابی کے ساتھ اُردو ادب میں سمونے کی کوشش کی ولی آس قدر پُر گو اور زرخیز ذہن کا مالک تھا کہ اُس نے مضامین فارسی کو اس طرح سمویا کہ شمالی ہندوستان میں رہنے والے بیشتر شعراء پہلی بار اس بات سے آشنا ہوئے کہ کس طرح اُردو میں شاعری کی جاسکتی ہے دہلی اور شمالی ہندوستان کے شاعروں کو پہلی دفعہ اُردو زبان کی اس طاقت و اہمیت کا احساس ہوا اُنھیں اس بات کا علم ہوا کہ فارسی کی مانند اُردو میں بھی پُر تاثیر شاعری کی جاسکتی ہے۔ اور یہی وہ نقطہ آغاز ہے جب فارسی سے اُردو میں غزل نہ صرف متعارف ہوئی بلکہ اس میں مختلف طرح کے مضامین بھی بحسن و خوبی ادا کیے جانے لگے۔ اُردو ادب کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُردو غزل اور اُردو نثر دونوں کی ترقی برصغیر کے زوال پذیر معاشرے سے مشروط ہے۔ انگریزوں کی آمد سے قبل بھی اُردو میں شاعری کی صنف موجود رہی ہے مگر اُردو غزل کی ترقی کا عروج کا دور وہی ہے۔ جب مسلمان مغلوں کے اقتدار کا سورج نصف النہار تک پہنچ جانے کے بعد روبہ زوال تھا۔ ''اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ'' میں ڈاکٹر سلیم اختر نے جو گراف پیش کیا ہے وہ بھی یہی دکھاتا ہے کہ اُردو ادب کی ترقی مغلوں کے بدترین زوال کے زمانے میں ہوئی۔

ڈاکٹر روبینہ ترین لکھتی ہیں

> غزل کے جدید شعور کا نقطہ آغاز سرسید دور ہے جب حالی نے سب سے پہلے اُردو غزل پر تنقید کی اور اس کی اصلاح کے لیے تجاویز پیش کیں۔ خود بھی غزل کے موضوعات میں انقلابی تبدیلی پیدا کی۔ یہیں سے جدید غزل کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ ا

ایسٹ انڈیا کمپنی شاہجہاں کے زمانے سے ہی ہندوستان میں قدم جمانے کی کوشش میں مصروف تھی۔ وسیع و عریض ملک بہترین زرعی وسائل سے مالا مال برصغیر کے حکمرانوں کو عیاشیوں سے فرصت نہیں تھی۔ لہذا آہستہ آہستہ انگریزوں 'فرانسیسوں' پرتگیزیوں اور دیگر یورپی اقوام نے یہاں پر قدم جمانے کے لیے مغلوں سے معاہدات کرنے کی کوشش کی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی بھی تجارت کی آڑ میں ہندوستان پر قبضہ کرنے کے لیے وارد ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ سورت اور بمبئی کی بندرگاہوں پر انگریزی افواج کا قبضہ ہو گیا۔ سلطان ٹیپو کے ساتھ معاہدہ ہونے کی وجہ سے جنوبی ہندوستان کی بندرگاہوں پر فرانسیسی افواج کا اثر ورسوخ زیادہ تھا۔

۱۸۰۰ء سے قبل انگریز بہت تیزی سے مقامی لالچی، ناعاقبت اندیش ریاستی حکمرانوں کی وجہ سے ہندوستان کے بیشتر حصے پر قابض ہو چکے تھے۔ ۱۷۵۷ء میں جنگ پلاسی میں ناکامی سے شروع ہونے والے سفر

نے ۱۸۵۷ء میں اختتام کیا۔ جس میں مسلمانوں کو انگریزوں کے مقابلے میں بدترین نظم و نسق اور غیر تربیت یافتہ غدار افراد کی مدد سے مکمل ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

اُردو غزل نے ۱۸۵۷ء کے بعد عہد بہ عہد ترقی کی اور اُردو غزل کے کینوس کا پھیلاؤ اس بات کی جانب اشارہ کرتا ہے کہ کس طرح اُردو غزل نے مختلف موضوعات کو بطریق احسن ادا کرنے کی کوشش کی۔ اُردو غزل کی ترقی کا سفر مغل حکومت کے خاتمے کے بعد بھی جاری رہا۔ محققین لکھتے ہیں کہ اُردو غزل میں بعض اوقات خفیہ باتوں کو علامتی انداز میں لکھ کر اُسے ایک خط کی صورت میں مطلوبہ افراد تک پہنچانے کی کوشش کی گئی جس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ سخت ترین حکومتی پابندیوں نے انگریزوں کے خلاف کام کرنے کے لیے حالات کو قریباً ناممکن بنا دیا تھا اسی کے سبب یہ طریقہ وضع کیا گیا کہ غزل کی صورت میں مطلوبہ خفیہ پیغام کو دوسرے فرد تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اقتدار پر قبضے کے بعد انگریزوں نے برصغیر پر تا دیر حکومت کرنے کے لیے ایک جامع پالیسی وضع کی۔ جس کی دو صورتیں سامنے آئیں۔

۱۔ ۱۸۹۹ء فورٹ ولیم کالج کا قیام۔

۲۔ انجمن پنجاب کے تحت غزل کے مقابلے میں نظم کو ترجیح دینے کے لیے سیر حاصل کوشش کرنا۔

فورٹ ولیم کالج میں لوک داستانوں سے متاثرہ داستانوں کو آسان الفاظ میں تحریر کیا گیا۔ جس کی وجہ سے اُردو کی سادہ اور پر معانی تحریر کو ترقی ملی۔ فورٹ ولیم کالج اگرچہ انگریزوں کو اُردو سے روشناس کرانا تھا۔ لیکن نادانستگی میں فورٹ ولیم کالج نے اُردو قواعد کی تشکیل اور آسان نثر کی ترقی میں نہایت اہم ذمہ داری سر انجام دی۔ انجمن پنجاب غزل کے مقابلے میں اُردو نظم کو فروغ دینے کا انگریزوں کا مقصد انگریزی ادب کی اصناف کو اُردو میں متعارف کروانے کا نہیں تھا۔ بلکہ زوال کے اس دور میں شاعروں کو مشکل گوئی اور علامتی انداز سے چھٹکارا دلا کر آسان اور خوبصورت انداز کی نظم گوئی کی جانب مائل کرنا تھا۔ اُردو نظم کے فروغ میں شیخ عبدالقادر کی ادارت میں چھپنے والے رسالے ''مخزن'' کے کردار کو کسی طرح فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ جس کے پہلے شمارے میں علامہ اقبال کی شہرہ آفاق نظم ''ہمالہ'' شائع ہوئی۔

اُردو غزل کو ختم کرنے یا محدود کرنے کی یہ ایک شعوری کوشش تھی لیکن اُردو ادب اور شاعری میں غزل سب سے زیادہ سخت جان ثابت ہوئی۔ جس نے ابتداء سے لیکر تاحال اپنا وجود قائم رکھا ہوا ہے۔ ۱۹۰۱ء سے لیکر ۱۹۴۷ء میں تقسیم برصغیر تک اُردو غزل پر زوال کے اثرات نمایاں رہے اس کے باوجود بھی اُردو غزل نے اپنا کینوس وسیع سے وسیع تر کرنے کی کوشش کی۔ سخت ترین سانچے اور دروبست کے باوجود اُردو غزل نے

سیاست، معاشرت، معیشت، رومانیت اور دیگر لامحدود معاشرتی اور سیاسی مسائل پر اپنے آپ کو بھرپور طریقے سے ظاہر کیا۔ اُردو غزل پر چھایا زوال ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد ختم ہو گیا جب ترقی پسند تحریک اپنے رہنماؤں کی وجہ سے دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ تقسیم برصغیر میں ترقی پسند تحریک کو سخت نقصان پہنچایا۔ ترقی پسند تحریک کے زیر سایہ اُردو غزل کے بجائے نظم نے بہت زیادہ ترقی کی۔ زیادہ تر ترقی پسند رہنماؤں کو اُردو غزل کا سانچہ پسند نہیں تھا۔ لہذا جن لوگوں نے بھی اُردو غزل میں طبع آزمائی کی اُن میں سے زیادہ تر لوگوں نے غزل لکھنے کی کوشش کی۔

چراغ حسن حسرت اور حسرت موہانیؔ کے ادبی معرکے میں اُردو غزل زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آئی۔ حسرت موہانیؔ اگرچہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ تھے اور اسی وجہ سے انقلاب کے لیے کوشش کرنے کے دوران انگریز سرکار نے کئی دفعہ انھیں نا صرف گرفتار کیا بلکہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال کر انھیں اپنے ارادوں سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ اگرچہ یہ رکاوٹیں حسرت موہانیؔ کے مصمم ارادوں کی راہ میں حائل نہ ہو سکیں۔ حسرت موہانی کی زندگی فاقہ مستی۔ برضا رغبت ایک اعلیٰ ترین مثال ہے۔ حسرت موہانیؔ ترقی پسند تحریک سے وابستہ تھے مگر اُن کی شاعری کی بیشتر حصہ غزل گوئی پر مبنی ہے۔ یوں رومانوی تحریک ہو یا ترقی پسند تحریک دونوں تحریکوں نے غزل کے معیار اُس کے موضوعات اور فکری چاشنی کو بڑھانے میں اپنا اپنا کردار ادا کیا۔

میرؔ اور سوداؔ اور غالبؔ و مومنؔ کا زمانہ اُردو غزل میں بہترین ترقی کا زمانہ کہلاتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ مغلیہ سلطنت کے بدترین زوال کا بھی زمانہ ہے۔ غالبؔ و مومنؔ نے اور اس سے قبل میرؔ اور سوداؔ نے اُردو غزل کو ہر قسم کے موضوعات کے لیے موزوں بنانے میں اہم ترین کردار ادا کیا۔ اُردو غزل ایک دم ہی جوانی میں پہنچ گئی۔ یہ شعراء جنھوں نے اپنی تمام تر توانائی اُردو غزل کے بنانے سنوارنے میں صرف کی اُردو غزل کے باب میں حیات جاوداں کے حامل شاعر قرار پائے۔

اُردو غزل کی ابتداء ہی میں عشق و محبت اور عرفان و تصوف کے موضوعات ساتھ ساتھ نظر آئے۔ اسی کے ہمراہ منظر کشی اور دیگر نئے رجحانات بھی میرؔ اور سوداؔ کی غزل کا موضوع نظر آتے ہیں۔

کیفیت چشم اُس کی مجھے یاد ہے سوداؔ
ساغر میرے ہاتھ سے لو کہ چلا میں

(کلیات سوداؔ، ص، ۱۲۱)

چلتے ہو تو چمن کو چلیے سنتے ہیں کہ بہاراں ہے
پھول کھلے ہیں، پات ہرے ہیں کم کم بادو باراں ہے

(کلیات میر تقی میرؔ، ص،۵۰۸)

اولین درج شدہ شعر میں سوداؔ نے محبوب کی آنکھوں کی کیفیت کو ایک خواب آور اور مصنوعی خوبصورتی سے سجایا ہے۔ جبکہ دوسرا شعر میرؔ کی عشقیہ شاعری کے بجائے مناظرِ فطرت سے اُن کی وابستگی کا آئینہ دار ہے۔ یہ دونوں اشعار ظاہر کرتے ہیں کہ انجمن پنجاب کے زیر سایہ فطرت نگاری پر نظم گوئی کا آغاز ہونے سے قبل میرؔ اور دیگر شعرا کے ہاں مناظر فطرت کے حوالے سے خاصے اشعار موجود ہیں۔

رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

> انیسویں صدی میں غزل اور غزل گوئی کا مقابلہ غزل اور غزل شعراء سے تھا۔ بیسویں صدی میں دونوں کا مقابلہ زندگی، زمانہ اور ذہن کے سیل بے اماں سے رہا ہے۔ گزشتہ پچاس سال میں دو ایسی مہیب لڑائیاں لڑی گئیں کہ پہلے کا نہ کوئی نادر باقی رہا نہ نادری، مذہب و اخلاق معیشت و معاشرت، حکومت و سیاست، شعر و ادب، فن و حکمت، سب نادر اور نادری زد میں آئے اور زیر و زبر ہو گئے۔ ۲

تقسیم کے بعد ہر ادب کا موضوعاتی تجزیہ کیا جائے تو چار مختلف دھارے نظر آتے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد الگ وطن کے حصول اور آزادی سے اُمیدیں وابستہ تھیں وہ پوری نہ ہو سکیں۔ ان دو طرح کے حالات نے خوشی اور غم کی ملی جلی کیفیت کو جنم دیا۔ پاکستانی عوام الگ ملک کے ملنے کی خوشی مناتے یا پیش آنے والی مشکلات پر آنسو بہاتے۔ اس دوہری کیفیت نے اس دور کے انسان کو عجیب صورت حال سے دوچار کر دیا نہ تو وہ خوشی کا اظہار کھل کر کر سکتا ہے اور نہ غم کا وہ ایک کشمکش کا شکار نظر آتا ہے۔

انیسویں صدی اُردو غزل اور نظم کے علاوہ نثری اصناف ادب میں بھی عروج کی صدی ہے۔ انگریزوں کے زیر اثر غلامی کی زندگی بسر کرنے والے مسلمان ایک راہ عمل پر چلنے کے لیے متفق ہو گئے۔ اور وہ راہ عمل حصول آزادی تھا۔ لہذا ذہنی کشمکش نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان قوم نے یکسو ہو کر قائد اعظم کی قیادت میں بالآخر آزادی حاصل کر لی۔ اُن کو ذہنی کشمکش سے نکالنے میں قائد اعظم کے ساتھ دیگر مسلمان رہنماؤں کا بھی اہم اور فیصلہ کن کردار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کی غزل نظم اور نثر میں ابہام، یک رنگی اور بیزاری کی وہ کیفیات نظر نہیں آتیں جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے فوراً بعد اُردو شاعری اور نثر میں نمایاں ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ ابہام

ہمیشہ اُس جگہ اور اُس وقت جنم لیتا ہے۔ جہاں منزل اور راہ رو کا پتہ نہیں چلتا۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے کی شاعری اور نثری اصناف ادب مذہب کے سوا تمام اقسام کے ابہامات سے کاملاً پاک ہیں۔

اُردو غزل میں عشق و محبت اور تصوف کے رنگ کے علاوہ دیگر مسائل کا بیان ۱۸۵۷ء کے بعد شروع ہوتا ہے۔ کیونکہ انگریز اپنی زبان اور سیاسی نظام ہی ہندوستان میں نہ لائے تھے بلکہ انھوں نے اپنی سمجھ بوجھ اور فہم کے مطابق بنیادی سیاسی اور سماجی تبدیلیاں بھی کیں۔ تاکہ دیر تک ہندوستان جیسے مال و دولت سے آباد ملک کو استعماری انداز میں استعمال کر کے مالی فوائد کا حصول ممکن بنایا جاسکے۔ مزاحمتی شاعری کا آغاز اس سے قبل بھی نظر آتا ہے۔ اُردو شعراء نے انیسویں صدی میں اُردو غزل میں اُن تمام موضوعات کو متعارف کروادیا تھا جو بعد میں اُردو غزل کے تناور درخت کی صورت میں واضح ہوئے۔ یہ بات کہنا ضروری ہے کہ اُردو غزل میں سماجی اور سیاسی موضوعات انگریزوں کے ہندوستان آنے سے قبل موجود تھے۔ مگر نشر و اشاعت کی وسیع سہولتیں انیسویں اور بیسویں صدی میں انگریزوں کی وساطت سے نمودار ہوئیں۔ جنھوں نے ایک ہی انداز میں شعر کہنے والے نامور شعراء اور اس سے مخالف لکھے جانے والے شعراء کی ایک بڑی کھیپ پیدا کی۔

فورٹ ولیم کالج اور دہلی کالج نے جدید انداز میں غزل کہنے کا رواج تو پیدا نہیں کیا۔ مگر آسان نثر اور نظم کو اُردو میں رواج دینے کے لیے فورٹ ولیم کالج اور انجمن پنجاب کی خدمات کو کسی طرح سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، انجمن پنجاب کی طرز پر لاہور اور دیگر جگہوں پر بہت ساری ادبی تنظیموں نے جنم لیا۔ جن میں انجمن حمایت اسلام زیادہ اہمیت کی حامل اس لیے نظر آتی ہے کہ یہاں نظمیہ شاعری کو بام عروج دینے کے لیے ایک اور تنظیم انجمن حمایت اسلام کا قیام عمل میں آیا یہ تنظیم اہم اور عظیم شاعروں کی آماجگاہ رہی علامہ اقبال جیسے شعراء بھی ان میں اپنے کلام کا جادو جگاتے رہے۔ نظم نگاری اور علاقائی علامات استعمال کرنے کا رجحان پیدا ہوا تو نظم نگاری کے ساتھ ساتھ غزل کے موضوعات میں تنوع پیدا ہو گیا۔ وہ غزل جو اس سے قبل صرف ہجر و وصال کی کیفیات کی ترجمان تھی اچانک اُس میں سیاست، معاشرت غربت اور جذبہ حریت کے موضوعات نے غزل کی یک رنگی کو ختم کر کے ایسے حالات سے مطابقت پیدا کرنے میں مدد فراہم کی۔

انیسویں صدی کے اختتام تک غزل کے موضوعات میں جو تنوع پیدا ہوا تھا۔ بیسویں صدی میں ان موضوعات نے غزل کے مستقل موضوعات کی صورت اختیار کر لی اب انیسویں صدی کے شعراء کو دیکھتے ہوئے بیسویں صدی کے لیے یہ بات ممکن ہو گئی تھی کہ وہ غزل کے موضوعات میں اپنی ذہنی میلان کے مطابق تجربہ کر سکیں۔

بیسویں صدی کے ابتدائی تیس سال اس لحاظ سے ہنگامہ خیز تھے کہ ان میں تین طرح کی تبدیلیاں یا بالفاظِ دیگر تحریکیں بیک وقت نمودار ہوئیں جس نے غزل کے موضوعات کو ہمیشہ کے لیے تبدیل کر دیا۔ ان تین واقعات نے جو بعد میں تحریکوں کی شکل میں واضح ہوئے یہ تھے۔

۱۹۱۷ء میں روس میں اشتراکی انقلاب کا برپا ہونا۔ دوم ۱۹۳۰ء میں خطبہ الہ آباد میں علامہ اقبال کی تقریر کے نتیجے میں مسلمان قوم کی آزادی کی جانب پیش قدمی۔ اور سوم جنگ عظیم اول ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۹ء تک برپا ہونا یہ تین واقعات ایسے تھے جس نے غزلیہ شاعری کے ساتھ ساتھ مسلمان قوم کی تقدیر ہمیشہ کے لیے بدل دی۔ ۱۹۱۷ء میں برپا ہونے والے اشتمالی انقلاب نے غزل میں اشتراکی نقطہ نظر کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کر دیا۔ جنگ عظیم اول میں ترکی کی خلافت کے ختم ہونے پر احتجاج کرنے اور کانگرس کے ساتھ عدم تعاون کی تحریک کا ساتھ دینے پر مسلمان معتوب ٹھہرے اور بہت سارے مسلمان شعراء، صحافی اور ادیب اس جرم میں کئی سال سزا کاٹتے رہے کہ انھوں نے جنگ کے دوران خلافت ترکیہ کی حمایت کیوں کی۔

جنگ عظیم اول کے اختتام پر یورپی اقوام نے سکھ کا سانس لیا اُن کا خیال میں جہاں بانی اور اجنبی زمینوں پر قبضے کے لیے لڑی جانے ولی یہ جنگ اس قدر مہنگی تھی کہ یورپی اقوام کے سربراہان دوبارہ جنگ کا آغاز کرنے سے قبل سو بار سوچتے مگر ان اقوام کی یہ خام خیالی اُس وقت دور ہو گئی جب دو عشروں کے بعد ہی جنگ عظم دوم کا آغاز ہو گیا اور اس جنگ کی تباہ کاری قبل ازیں لڑی جانے والی جنگ سے کہیں زیادہ تھی۔ انسانی آرزووں کی شکست وریخت غربت ودرماندگی، عقائد میں بگاڑ اور بے زاری کی کیفیات اتنی زیادہ تھیں کہ ہندوستانی اقوام اپنی جڑوں سے اکھڑ کر رہ گئیں۔ ضروری ٹھہرا کر شیرازہ بندی کی جاتی معاشرے میں مثبت خیالات کا دخول کیا جاتا اور غیر یقینی صورتحال سے بچاؤ کے احکامات اولین ترجیح قرار پاتے مگر کمیونزم جنگ عظیم اول اور اس طرح کے دیگر تحریکات نے غزل کے موضوع کو نا صرف وسعت دی بلکہ انھیں اقوام ہندوستان کی معصوم خواہشات کا ترجمان بنا دیا۔

چلا جاتا ہوں، ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

(کلیات اصغر گونڈوی، ص، ۲۰۳)

۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک جاری رہنے والی جنگ چند وجوہات کی بناء پر دنیا میں لڑی جانے والی پیشتر جنگوں سے مختلف ہے۔ جدید ترین توپ خانہ، ہوائی جہازوں کا استعمال مورچوں میں لڑنے کے بجائے ٹینکوں میں بیٹھ کر قریہ قریہ گاؤں گاؤں تباہی پھیلا دینے والے آلات نے جنگ کا تصور مکمل طور پر تبدیل کر دیا۔ جنگ میں جدید جنگی بحری جہازوں کی آمد، راڈار سسٹم، ہوائی جہازوں کی بمباری جیسے اُمور اس قدر بھیانک اور خوفناک تھے کہ اس کی مدد سے شاعر اور ذہین مفکرین نے پیش آمدہ جنگ کی تباہ کاریوں کا قبل از وقت اندازہ کر دیا۔ مندرجہ بالا بیان کردہ تمام طریقوں اور ہتھیاروں سے زیادہ خوفناک وہ ہتھیار تھا جس کے جاپان پر اولین تجربے نے ہی دہشت اور وحشت کی سرد ترین لہر حساس دلوں کی رگ وپے میں اتار دی۔

برصغیر کے اپنے حالات بھی یورپ سے کم خطرناک نہ تھے صدیوں تک ساتھ رہنے والے اور اکثریت میں ہوتے ہوئے امن پسند ہندو جنھیں انگریز کے نظریات نے ایک بڑی طاقت میں تبدیل کر دیا تھا مسلمان قوم پر عرصہ حیات تنگ کیے ہوئے تھے مغل اقتدار کے طاقتور ہونے تک توان میں جرات نہ تھی کہ مسلمانوں کے خلاف کسی بھی قسم کا اقدام کر سکتے مگر انگریزوں کے بر سر اقتدار آتے ہی ہندؤں نے جدید انگریزی تعلیم میں مہارت پیدا کی اور روز بروز حکام بالا سے قریب تر ہوتے چلے گئے ۔ طاقت میں آتے ہی ہندووں کا رویہ مسلمانوں کے حق میں یکسر تبدیل ہو گیا۔ خوفزدہ رہنے والے ہندووں نے مسلمانوں کی طاقت کے سبب رغب ودبدبے کا اوڑھا ہوا مصنوعی نقاب اُتار پھینکا اور کھل کر اپنی بدنیتی اور زہریلا روپ آشکار کر دیا۔

مسلمان صحیح رہنما سے لمبے عرصے تک محروم رہے تاہم سر سید اور اُن کے رفقائے کار کسی حد تک مسلمانوں کا مقدمہ لڑتے رہنے اور بھنور میں پھنسی کشتی کو ۱۹۱۳ء میں ایک ایسا رہنما ملاح مل گیا جس نے ڈولتی اور غرق ہوتی نیا کو پار لگا دیا۔ اُردو غزل میں سیاست کا موضوع پہلے موجود نہیں تھا۔ یہ موضوع ۱۸۵۷ء سے قبل آیا۔ جب غزل کی زبان میں مزاحمتی شاعری کی گئی۔ مزاحمتی شاعری میں مغل بادشاہ'' فرخ سیر '' کے دور کا مشہور شاعر جعفر زٹلی جیسے مذکورہ بادشاہ کے حکم پر قتل کیا گیا تاریخی حیثیت کا حامل ہے مزاحمت اور سیاست دونوں عوام کے لیے کیے جاتے ہیں۔ اس لیے دونوں میں بہت سی مشترکات بھی ہیں یا دوسرے الفاظ میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ سیاست مزاحمت کا دوسرا نام ہے۔

۱۹۲۰ء اور اس سے پہلے کی شاعری میں غزل نے اپنا وجود سیاسی موضوعات کی بدولت قائم رکھا۔ غزل میں معاشرتی موضوعات کا تذکرہ اُس وقت شروع ہوا۔ جب ۱۹۴۷ء میں دونوں ممالک آزاد ہو گئے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد اُردو غزل کو چند ایسے شاعر میسر آئے جنھوں نے غزل کی عظمت رفتہ کو دوبارہ بحال کیا۔ غزل کو انجمن

پنجاب کے تحت شاعری کرنے والوں اور ترقی پسندوں نے غزل کو ختم کرنے کی پوری کوشش کی۔ مگر یہ اس قدر سخت جاں ثابت ہوئی کہ کلیم الدین احمد کو اسے ''وحشی صنف'' قرار دینا پڑا۔ کلیم الدین احمد کے علاوہ دیگر نقادوں نے بھی غزل کی سخت جانی اور اس میں پائی جانے والی خوبصورتی کی تعریف کی ہے۔ غزل میں موجود عناصر اپنی خوبصورتی کی وجہ سے اتنے پر کشش اور زبردست ہیں کہ شاعر کو لا محالہ اس صنف کی طبع آزمائی کرنی پڑتی ہے۔ غزل کی صنف پر تقسیم سے قبل اتنے زیادہ حملے نہیں ہوئے کہ جتنے تقسیم کے بعد بہت سارے شعراء نے اس کی سخت جانی اور یکسانیت سے گھبراتے ہوئے نثری غزل، آزاد غزل اور اس قسم کی دیگر شعوری کوششیں شروع کر دیں تاکہ غزل کو نقصان پہنچا کر اپنے ادبی قد و قامت میں بلندی حاصل کی جا سکے۔ مگر اُن کا یہ مقصد حاصل نہ ہو سکا۔ اور ناصر کاظمی اور فیض احمد فیض جیسے شعراء نے غزل کو دوبارہ وہ عروج بخشا جس کے لیے غزل ابتداء ہی سے معروف تھی۔ غزل کی روایت کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا سے لے کر ۱۸۵۷ء تک اُردو غزل میں موضوعات کی وہ کثرت نہیں رہی جو آئندہ پچاس برسوں میں سامنے آئی۔ معیشت سے لے کر معاشرت اور سیاست سے لے کر اندرونی جذبات و احساسات سب کے سب غزل کا موضوع ٹھہرے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ غزل کا سانچہ باوجود کوشش کے ٹوٹ نہیں پایا۔ مگر اس میں موجود اصطلاحات قدیم ہونے کے باوجود نت نئے معنوں کے ساتھ سامنے آئے۔ یہ معانی سیاست اور معاشرت و معیشت تینوں انسانی زندگی کے پہلوؤں سے تھے۔ ادبی تاریخ لکھنے والوں اور شعر و شاعری کا ذوق رکھنے والے افراد غیر محسوس انداز میں الفاظ اور اصطلاحات قدیم کے ان نئے معنوں سے مانوس ہوتے چلے گئے۔ کسی صنف ادب کے لیے یہ ایک قابل رشک اور فخر کا مقام ہوتا ہے۔ کہ اس کے ذخیرہ الفاظ میں تبدیلی ہوئے بغیر ان کے معنوں میں مزید وسعت اور گہرائی پیدا ہو جائے۔

محبوب کی جفا، جام و مینا، انتظار کی کیفیت، پیمانہ اور مئے ان تمام اصطلاحات کے نئے معنوں نے اُردو غزل کو نئی زندگی دینے کے ساتھ ساتھ اس کے رنگ و روپ اور درپن میں بے پناہ اضافہ کیا۔ غزل میں ترقی کا یہ سفر ۱۹۶۰ء کی دہائی میں مزید وسیع ہوا۔ جب رومانویت اور سوشلزم پر غزلیں اور نظمیں کہنے والوں نے علامات کا استعمال شروع کیا۔ ان علامات نے ڈھکے چھپے الفاظ میں پاکستان میں پائی جانے والی سیاسی گھٹن، مذہبی روایات کی تباہی معاشرت میں پھیلتی تفرقہ بندی کو بالخصوص نشانہ بنایا۔ غزل کا یہ سفر ہنوز ناتمام ہے۔ امروزہ غزل میں اکیسویں صدی کے رجحانات کے تناظر میں مشینی زندگی، کمپیوٹر، سٹلائیٹ، مزائل اور اس جیسے بہت سے دیگر موضوعات جو حیاتِ انسانی کو درپیش ہیں۔ غزل نے اس کا مکمل ادراک کیا اور غزل گو شعراء نے اس پر

بے پناہ لکھا ہے۔ سائنسی ایجادات انسانی آبادی میں اضافہ، وقت کی قلت اور اس جیسے بہت سے دیگر موضوعات احمد فراز اور شکیب جلالی اور ظفر اقبال کی غزلیہ شاعری میں نمایاں نظر آتے ہیں۔

سائنسی موضوعات، انسان کی بے قدری خون کی ارزانی، قتل و غارت گری کے موضوعات جدید غزل میں نمایاں اس لیے بھی نظر آتے ہیں کہ اس دور میں عصری شعور رکھنے والے شعراء کی بہتات رہی۔ جو کتب خوانی اور کتب بینی کے دلدادہ تھے۔ لہٰذا اشعار میں عصری شعور معنوی گہرائی اور مطالعہ تمام چیزیں بیک وقت نظر آتی ہیں۔ ۷۰ء کی دہائی میں ادب سے تعلق جوڑنے کی ابتدا کرنے والے بیشتر ادیب اور شاعر ۹۰ کی دہائی سے لے کر اکیسویں صدی کی پہلی دہای میں رفتہ رفتہ فوت ہوتے چلے گئے۔ لہذا نئے دور کا شعور رکھنے والے شعراء کی غزل میں عصری تقاضوں سے ہم آہنگی کا فقدان نظر آتا ہے۔ مزید براں انٹرنیٹ، مواصلاتی ذرائع میں اضافے، شہری زندگی اور تن آسانی نے شاعروں سے فکری لحاظ سے تنہائی کی وہ کیفیت ختم کر دی ہے۔ جس کی وجہ سے شعروں میں گراوٹ نمایاں ہوتی ہے۔ سائنسی ترقی اور مواصلات و آمد و رفت کے میدان میں ہونے والی پیش رفت کے اُردو غزل پر ہونے والے گہرے اثرات کے بارے میں ڈاکٹر محمد اسلم قریشی لکھتے ہیں۔

> سائنس کی جدتی ترقیاں جدید غزل کی آغوش میں جگہ پا رہی ہیں زمین کی تسخیر کے بعد اجرام فلکی تک رسائی کے موجودہ دور میں یہ سماوی تگ و تاز بھی غزل کے ایجاز و اختصار میں سما رہی ہے۔ ۳

موجودہ دور میں جب انسانی زندگی، اور رویوں پر اعتبار ختم ہوتا جا رہا ہے۔ لوگوں میں ہوس زر نے اُن کے ایمانوں کو ڈگمگانے کے ساتھ انھیں اخلاقی اور جذباتی تنزل کی گہرائیوں میں پھینک دیا ہے بعض شعراء کی غزلیں بولتی بلکہ چیختی نظر آتی ہیں۔

بستی میں کسی عذاب کے ڈر جاگنے لگے
شب بھر پس فصیل بھی گھر جاگنے لگے

(شوق وستارہ، جلیل عالی، ص، ۱۴۹)

لوٹ مار، کرپشن نے وطن عزیز کے صرف اداروں کو ہی کھوکھلا نہیں کیا بلکہ بے ضمیر، لالچی اور خوشامدی لوگوں کو لائق، بے لاگ بولنے والوں، اور راست گو افراد پر ترجیح دلوانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ یوں اداروں کے ساتھ ساتھ قوم اخلاقی بیماریوں کا بھی شکار ہوتی چلی گئی۔ ایسی حالت میں درد رکھنے والوں نے اپنا معافی الضمیر کچھ یوں بیان کیا۔

قومی حمیت و غیرت پر سمجھوتہ ہو، یا اپنوں کی آزادی کا سودا، قوم ہر چیز برداشت کر سکتی ہے۔ مگر ایسے کسی بات پر راضی نہیں ہو سکتی۔ الیکشن کے نام پر راہزنوں کے انتخاب اور سنہرے سپنے دکھا کر سر راہ لوٹنے والے راہنما کہلانے کے حقدار نہیں کہلا سکتے پاکستانی قوم کئی دہائیوں سے اس بے سمتی اور راہنمائی نہ ہونے کا شکار ہے۔ سماج میں موجود بے چینی، بے روزگاری اور افراتفری کی وجہ سے بے شمار لوگ تنگ آکر خودکشی پر مائل ہیں اور کچھ اس قسم کے اقدامات کر چکے ہیں

سماج میں پھیلی بے چینی اور بھوک و معاشی بد حالی انسانی معاشروں میں نئی بات نہیں۔ مگر جس طور سے موجودہ معاشرہ اس کا شکار نظر آرہا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ کیونکہ انسان بھوک اور بے روزگاری اور مفلسی کا عذاب بھی بآسانی جھیل سکتا ہے مگر جب وہ دیکھتا ہے کہ اُس کا بھائی، اُس کا پڑوسی، اُس کا خاندان ہی اس مشکل میں اُس کے ساتھ نہیں تو اس کی تکلیف میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔

انسانی معاشرے کی اصل بنیاد یگانگت اور ہمدردی ہے اس کے بغیر انسانی معاشرے کو معاشرہ کے بجائے ہجوم سے تشبیہ دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے جہاں بغیر کسی مقصد اور ہمدردی کے بغیر لوگ اپنی ضرورتوں کو جانوروں کی مانند پورا کرنے میں معروف ہوتے ہیں۔

افتخار عارف نے اسی منظر کو اپنے الفاظ میں سمونے کی کوشش کی ہے۔

وہی ہے خواب جسے سب نے مل کے دیکھا تھا
اب اپنے اپنے قبیلوں میں بٹ کے دیکھتے ہیں

(افتخار عارف، دل و دنیا، ص، ۳۷۵)

یکساں نظام تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے افراد میں ہم آہنگی اور بلند اقدار کی پاسداری نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہر مسئلے کو اپنی سمجھ اور بوجھ کے مطابق دیکھنے اور حل کرنے اور اپنے موقف پر قائم رہنے نے بہت سے مسائل کھڑے کر دیئے ہیں۔

کیسے خبر تھی ہمیں راہبر ہی لوٹیں گے
بڑے خلوص سے ہم کارواں کے ساتھ رہے

(حرفِ سردار، حبیب جالب، ص، ۹۰)

پاکستان جغرافیائی لحاظ سے اہم ترین جگہ پر واقع ہے جس کے سبب عالمی طاقتوں کے لیے یہ جگہ ہمیشہ پر کشش رہی ہے۔ بد قسمتی سے نااہل قیادت ملنے کی وجہ سے ہم اپنی جغرافیائی اہمیت سے بے خبر اور لاپروا رہے ہیں جس کی وجہ سے پرائی جنگوں کو خود پر مسلط کرنے کے ساتھ ساتھ عوام کی بدحالی اور دہشت گردی میں اضافے کا سبب بنتے رہے ہیں۔ دنیا کی بیشتر اقوام ہمارے مسائل سے آگاہ ہیں۔ مگر ہم اپنے مسائل سے آگاہ نہیں یا جان بوجھ کر بے خبر بنے ہوئے ہیں اسی وجہ سے پاکستان کسی وجہ کے بغیر اجتماعی الجھنوں اور مسائل کا شکار ملک ہے جس کی کوئی سمت متعین نہیں۔

کب رات ڈھلی یہ تو اندھیروں کا سماں ہے
ویران ہیں صحرا کی طرح خواب ہمارے

(اے ارضِ وطن، حبیب جالب، ص، ۱۸۰)

موجودہ معاشرے کی مکمل تصویر اور صورتحال کو اُردو غزل میں بیان کیا گیا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُردو سانچے میں تبدیل کیے بغیر تمام مضامین کو بہ حسن و خوبی ادا کیا جا سکتا ہے۔ لوگوں کے شخصی مسائل سے لے کر ذاتی زندگی تک جدید غزل کے وسیع کینوس نے تمام موضوعات کو اچھی طرح بیان کیا ہے۔

ابرار احمد موجودہ معاشرے کی بے یقینی کی صورتحال کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں۔

> ہمارے عہد کا اصل تماشہ اصل المیہ وہ خلیج ہے جو عارضی اور ابدی انسان کے درمیان حائل ہو چکی ہے۔ ہمارا عارضی انسان اپنے عظیم الشان مرتبے اور کردار کو فراموش کر چکا ہے اور تعصب، اذیت پسندی، عدم برداشت جیسے مہلک مرض میں مبتلا ہے۔ وہ نکلتا ہے اور اپنی مریضانہ سوچ کا شکار ہو کر اپنے ہی جیسے انسانوں کو راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیتا ہے، خون میں نہلا دیتا ہے، ہم ماتم کرتے، دیکھتے رہ جاتے ہیں یا خود لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔ بغیر کسی اعلیٰ نصب العین کے، بغیر حقیقی بہادری کے ساتھ لڑنے کے، یہ احکامات عمل نہیں ہم نے ایسا کچھ نہیں کیا جس کی ہمیں اس قدر خوفناک سزا دی جائے۔ ۴

نئی غزل معاشرے کی پیچیدگیوں اور مسائل کی گھمبیرتا کی وجہ سے نئی علامات اور ذخیرہ الفاظ ساتھ لے کر آتی ہے۔ جو اس بات کی علامت ہے کہ حالات خواہ کیسے بھی ہوں غزل جینے کا ہنر جانتی ہے اور زندگی کے تقاضوں کے مطابق اپنا بنیادی سانچہ تبدیل کیے بغیر خود کو ڈھال بھی سکتی ہے۔

ب۔ زیب النساء زیبیؔ کے ہاں عشق بطور موضوع

عشق کا موضوع ادب میں نیا نہیں بلکہ ادبیاتِ عالم میں ''عشق'' مختلف اوقات اور واقعات میں مختلف انداز سے پیش کیا جاتا رہا ہے۔ عشق اصطلاحی معنوں میں کسی ذات سے اس طرح وابستہ ہونا کہلاتا ہے۔ جس میں اس ذات سے وابستہ تمام کمالات اپنی ذات سے وابستہ ہو جائیں اور تمام خامیاں دل و دماغ قبول کرنے پر کسی طور پر آمادہ نہ ہو سکے۔

باالفاظِ دیگر کسی ذات کو اس کی خامیوں اور خوبیوں کے ساتھ دل و جان سے قبول کرنا عشق کہلاتا ہے۔ اہل علم عشق کو دو درجات میں تقسیم کرتے ہیں۔اول عشق حقیقی اور دوم عشق مجازی۔

عشق حقیقی یعنی اس ذات پاک سے لگاؤ جس کی قبضہ قدرت میں یہ تمام کائنات ہے اور جو اس کا حقیقی خالق بھی ہے۔ غور و فکر اور تدبر انسانی فطرت کا خاصہ رہا ہے۔اور نیک سیرت انسانوں کی ایک بڑی مقدار خالق حقیقی تک پہنچنے اور اس کو پہنچاننے کی تگ و دو میں تمام عمر مصروف رہی ہے۔

اس جانب دیگر انسان کو صرف خالق حقیقی کے مظاہر نے ہی متاثر نہیں کیا بلکہ انسان اپنے ہی جیسے دیگر انسانوں سے بھی متاثر رہا ہے۔

عشق محبت کے افسانے تاریخ انسانی کے ہر دور میں انسان کی ایک دوسرے سے وابستگی میں ثبوت رہے ہیں۔ لیلیٰ مجنون، شیریں و فرہاد اور رومیو جولیٹ کی داستانیں اگر دنیا کے دیگر ادب ہائے زبان کا حصہ ہیں۔ تو برصغیر میں موجود زبانیں اس قسم کے قصوں سے مبرا نہیں وابستگی اور لگاؤ کے یہ مظاہر صرف محبوب اور معشوق کے مابین ہی نظر نہیں آتے۔ بلکہ ماں، باپ، بہنیں، بھائیوں کے علاوہ مختلف شخصیات سے دلی وابستگی انسانی شخصیت کا بنیادی جزو ہے۔ شاعر اور ادیب الفاظ کو پرکھنے میں اپنی مہارت کا مظاہرہ کرتا ہے اور عشق کے موضوع کو ذخیرہ الفاظ، سوچ اور تہذیبی پسِ منظر میں اپنے طریقے سے بیان کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ شاعری کی روح کہلائے جا سکنے والے اس جذبے سے زیب النساء زیبیؔ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکی ہیں۔

یہ کون دے گیا، پیغامِ عشق چپکے سے
یہ کس نے پھول، ہماری کتاب میں رکھا

(کلیات ''کارِ دوام''، دل میں ہیں آپ، زیب النساء زیبیؔ، ص، ۱۲۶)

تیرے ملن ، تجھے پانے کی آرزو میں ، ہمیں
دل و نظر نے سدا، اضطراب میں رکھا

(کلیات ''کارِ دوام''،دل میں ہیں آپ،ص، ۱۲۷)

زیب النساء زیبیؔ کا عشق صرف عشق حقیقی اور مجازی تک ہی محدود نہیں، بلکہ ان کے عشق کا دائرہ انسانیت کے دیگر مظاہر تک پھیلا نظر آتا ہے۔ عشق مجازی کا دائرہ اولاد اور شوہر اور حقیقی عشق کے دائرے میں مظاہر کائنات اور پھول پودے سب آتے ہیں زیب النساء زیبیؔ اسی عقیدے کی پیروکار ہیں

ہے جو بھی کہنا، کہہ دے گا وہ عشق تشنہ لب میرا
گراں گزرے گا اُن کو آج ہونا بے ادب میرا

(کلیات ''کارِ دوام''،دل میں ہیں آپ،ص، ۱۲۸)

مجھے ذاتوں میں ناحق کر دیا تقسیم دنیا نے
قبیلہ عشق ہے میرا محبت ہے نسب میرا

(کلیات ''کارِ دوام''،دل میں ہیں آپ،ص، ۱۲۹)

زیب النساء زیبیؔ کا محبوب انہیں اس طرح عزیز نہیں کہ وہ جو چاہے مرضی کرتا رہے اور ان کے منہ سے کلمہ اُف تک نہ نکلے۔ وہ اپنا یہ فرض سمجھتی ہیں کہ اپنے کسی قریبی کو دکھ اور تکلیف سے بچانے کے لیے سمجھانا ضروری ہے۔ تاکہ وہ راہ راست پر آجائے۔ دوسری جانب یہ شعر ان والدین کی بچوں سے ناروا طرف داری کی جانب بھی دھیان دلاتا ہے جو ہر غلط صورتحال میں اپنے بچوں کو ہمیشہ معصوم اور دوسروں کو گناہ گار گردانتے ہیں۔ یہ رویہ ہمارے ان بڑے رویوں میں سے ایک ہے جس کے سبب معاشرہ ایک بڑے اخلاقی زوال کی جانب گامزن ہے۔

عشق بطور موضوع

ہائے مجبوریاں محبت کی
چشمِ پُر نم کو مسکرانا ہے

کلیات ''کارِ دوام''،دل میں ہیں آپ،ص، ۱۳۰)

مذہب عشق میں یہ بھی روا ہے کہ زمانے کی لہر رکاوٹ اور بندش کو ہنسی خوشی قبول کرتا ہے۔

نو گرفتارِ محبت ہوں مگر اے ہم نشیں
رفتہ رفتہ بن گئے ہیں میرے افسانے بہت

(کلیات ''کارِ دوام''، تیری یاد آتی ہے، زیب النساء زیبیؔ، ص، ۱۹۵)

ترے جلوؤں کا تصرف جب سے حاصل ہو گیا
دیکھتے ہیں تیرے دیوانے کو دیوانے بہت

(کلیات ''کارِ دوام''، تیری یاد آتی ہے، ص، ۱۹۵)

اللہ تعالیٰ کا عشق انسان کو اس بلندی پر فائز کر دیتا ہے کہ ہر شخص کی نظروں میں اسے محترم بنا دیتا ہے کیونکہ عشق حقیقی انسانوں سے رشتہ برقرار رکھتے ہوئے رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔

خواجہ میر دردؔ اس کیفیت کو اپنے ایک شعر میں یوں بیان کرتے ہیں

آواز نہیں قید میں زنجیر کے ہر گز
ہر چند کہ عالم میں ہوں عالم سے جدا ہوں

(خواجہ میر دردؔ)

خواجہ میر درد کے ان اشعار کی رو سے عشق حقیقی کا حامل شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تمام جائز دنیاوی کام سرانجام دیتا ہے اور بظاہر اس دنیا کا شخص ہوتا ہے۔ مگر در حقیقت اس کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کا مطمعِ نظر صرف اور صرف رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔

پروفیسر احسان اکبر ان کے جذبہ محبت کو یوں بیان کرتے ہیں۔

> زیبیؔ کے پاس اپنی شاعری میں اپنے مزاج کی انفرادیت ہے۔ وہ انگریزی کے لفظ میچور، ایڈہاک بھی غزل میں لے آتی ہے۔ جس سے کسی بھی طور غزل کا حسن متاثر نہیں ہوتا۔ بلکہ مفہوم و معنی نکھر کر اور واضح ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۵

زیبیؔ کہتی ہیں۔

جرم الفت کی سزا کاٹ چکی ہوں ایک بار
زیبیؔ اب پھر سے حماقت نہیں کی جا سکتی

(کلیات ''کارِ دوام''، دل میں ہیں آپ، ص، ۱۳۸)

مگر حقیقت تو یہ ہے کہ زیبیؔ درد مند دل رکھتی ہیں وہ ایسی خاتون ہیں جو محبت سے جذبے کشید کرتی ہیں۔ کہیں کہیں زیبیؔ نے زندگی سے محبت تو کہیں بے پروائی کا مظاہرہ کیا ہے۔

اک تیرے جلوؤں سے قائم کب رہی بزم حیات
شمع محفل ایک ہے جلنے کو پروانے بہت

(کلیات ''کارِ دوام''، دل میں ہیں آپ، ص، ۱۹۵)

ان کا عشق زمان و مکاں کی حدوں کو پھلانکتا نظر آتا ہے

عقل نے راہ دکھائی تو ہے عرفاں کی مجھے
میں بتاؤں گی تمہیں کثرت و وحدت کیا ہے

(کلیات ''کارِ دوام''، دل میں ہیں آپ، ص، ۱۹۴)

اولاد کی محبت فطرت انسانی میں شامل ہے۔ ہر انسان کو اپنی اولاد کسی بھی حالت میں پیاری اور عزیز ہوتی ہے یہ الگ بات ہے کہ ہر شخص اس جذبے کا اظہار الگ طریقے سے کرتا ہے۔

صحن میں اس طرح بہار آئی
رہے گئے دو ہی پھول ، بس کھل کے

(کلیات ''کارِ دوام''، تیری یاد آتی ہے، ص، ۲۰۷)

اولاد ہی انسان کی ذات کا محور ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کی تربیت کے خیال سے انسان ہر وقت سر گرداں اور مصروف رہتا ہے کہ یہی ایک ماں کی فطرت کا تقاضا ہے

کرتی ہوں میں طواف ہر لحظہ
مثلِ پروانہ شمع محفل کے

(کلیات ''کارِ دوام''، تیری یاد آتی ہے، ص، ۲۰۷)

پروانہ اور شمع محفل کی اصطلاح یہاں قدیم اصطلاحی مفاہیم کی بجائے نئے معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ جو زیبیؔ کی فکر اور سوچ کے تنوع کو بیان کرتی ہے۔

سوچ اور احساس کے تنوع کے حوالے سے ڈاکٹر سلیم اختر اپنی معرکتہ الاراء تصنیف ''اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ'' میں لکھتے ہیں۔

> بیشتر شاعرات میں تنہائی کا احساس مشترک ملتا ہے مگر اظہار کے لیے تشبیہ اور استعارے جداگانہ ہیں۔ تنہائی کا یہ احساس کبھی ذات کو جزیرہ میں تبدیل کر دیتا ہے تو کبھی بے سکونی کو کرب میں بدل دیتا ہے اور محبوب، دلہا، مرد آتا ہے اور گردش رنگ چمن کا اسلوب تبدیل ہو جاتا ہے۔ ٦

اُردو کی دیگر شاعرات کی مانند ان کے اشعار میں دلہا، مرد، محبوب سب موجود ہیں۔ مگر فیض احمد فیض کی طرح عشق مجازی کا جذبہ ان پر اس طرح غالب نہیں کہ انھیں باقی تمام دکھوں سے آزاد کر دے۔ بلکہ وہ جذبہ عشق کی صداقت پورے انسانی معاشرے اور انسانیت کو قرار دیتی ہیں ان کے دکھوں کو اپنا سمجھتی ہیں اور ان کی مشکلات کو کم کرنے میں اپنا تن، من، دھن لگانا اپنا انسانی فریضہ سمجھتی ہیں اور جذبہ خدمتِ انسان عاقبت میں فلاح کا ذریعہ بھی

گھر کو جلا کر ہی اجالا کر دیا
تیرگی کو کم تو کرنا تھا مجھے

(کلیات ''کارِ دوام''، کوئے محبوب ہے ہجرت، زیب النساء زیبیؔ، ص، ۱۵۰۱)

تیری خاطر زندگی بے کار کی
کیا یہی تاوان بھرنا تھا مجھے

(کلیات ''کارِ دوام''، کوئے محبوب ہے ہجرت، ص، ۱۵۰۱)

مجموعی طور پر یہ باب زیب النساء زیبی کی شاعری کے مختلف رنگوں اور افکار کا جائزہ پیش کرتا ہے۔ بلکہ زمان و مکان کے حوالے سے زیبی کی شاندار شعری خدمات بھی قاری کے سامنے رکھتا ہے۔ زیبی نے اپنے ہم عصر دیگر شعراء کی مانند احساسات انسانی سمجھنے کی کوشش کی البتہ یہ اعزاز صرف اُنہیں کو حاصل ہے کہ انھوں نے انسانوں سے وابستہ چھوٹے مسائل عشق کے ساتھ نتھی کرنے کی کوشش کی۔ کیونکہ مادی و معاشرتی مسائل جذباتی مسائل کے ہمراہ ہی اچھے اور مبنی پر حقیقت پر مبنی دکھائی دیتے ہیں۔ جذبہ عشق کو مادی معاشرتی تناظر سے الگ کرنا انسانی روح کو جسم سے اتک کرنے کے مترادف ہیں۔ دونوں مسائل اور جذبے ایک ساتھ ہی پورے طور پر کارآمد ہیں ایک دوسرے کے بغیر دونوں کی قطعاً کوئی اہمیت نہیں۔

غزل فارسی اور اُردو کی سب سے اہم اور قدیم اصنافِ سخن میں سے ایک ہے غزل فارسی میں عربی قصیدے کی تمہید کو شامل کرنے سے آئی اس کا جوڑ فارسی ادب میں اتنا مضبوط اور ثمر آور ثابت ہوا کہ فارسی غزل گو شعراء نے ایسے اپنالیا اور یہ وابستگی اتنی زیادہ تھی کہ فارسی کی بیشتر اعلیٰ شاعری غزل ہی میں موجود ہے۔ فارسی غزل کا رنگ ڈھنگ اور بود و باش الگ اور انوکھا ہے۔ اُردو میں غزل کی ابتداء کرنے والے شعراء میں سے بیشتر فارسی کے انداز سے بے انتہا لگاؤ رکھتے تھے۔ لہذا اُردو غزل کے آغاز کے لیے فارسی کی ایک مضبوط بنیاد موجود تھی جسے اُردو شعراء نے مزید مضبوط بنایا چونکہ فارسی غزل اپنے اندر معانی کا ایک جہان آباد رکھے ہوئے ہے لہذا اُردو غزل کو اپناتے وقت شعراء نے اُردو کے اندر مختصر مگر جامع الفاظ کو اپنانے کی بھرپور کوشش کی اُردو ادب کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ اُردو غزل کی ابتداء میں ایسے نمونے وافر تعداد میں موجود ہیں جن میں غزل کے اشعار میں مصرع اول فارسی میں اور مصرع آخر اُردو میں ہے یا دو مصروں میں ایسے اشعار بھی مل جاتے ہیں جو آدھے فارسی میں اور آدھے اُردو میں ہیں۔ یہ اُردو غزل کا تجرباتی دور تھا۔ میرؔ اور سوداؔ تک آتے آتے غزل ہر موضوع کو بیان کرنے کے قابل ہو چکی تھی۔ غالبؔ و مومنؔ کی شاعری کو غزل کا نقطہ عروج سمجھا جا سکتا ہے۔ غالبؔ کی غزل گوئی کا دور مسلمانوں کے بدترین زوال کا زمانہ تھا مگر اُردو غزل مسلسل روبہ ترقی تھی۔ انیسویں اور بیسویں صدی کا نصفِ اول اُردو غزل کی ترقی کی داستان سناتا نظر آتا ہے انگریزوں کی آمد کے بعد غزل کا بیانیہ وہی رہا۔ مگر اس کے موضوعات میں وسعت اور تنوع پیدا ہوتا چلا گیا۔ جنگ عظیم اول ہو یا دوم، جنگ آزادی ہو یا تقسیم ہندوستان کا مرحلہ، سقوطِ ڈھاکہ ہو یا ایران عراق کی جنگ مسلمانوں کی سیاسی و معاشی کسمپرسی ہو یا دنیا کی دیگر تکالیف و مسائل کا ذکر ہو۔ غزل ہر جگہ اپنا اثر قائم کرنے میں کامیاب رہی ہے۔

عشق کا موضوع ادب میں نیا نہیں اور غزل کے ساتھ تو اس کی وابستگی بنیادی ہے ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ عشق کا موضوع اور غزل آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ عشق غزل میں اس قدر نمایاں حیثیت کا حامل ہے کہ کسی سیاسی یا معاشی صورتحال کا تذکرہ ہو یا پھر کسی اور مسئلے کا بیان ہو غزل میں عشق کی ہی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔ عشق اصطلاحی معنوں میں کسی کی ذات سے یوں وابستہ ہونا ہے کہ اُس ذات سے وابستہ تمام کمالات اُس کی اپنی ذات سے وابستہ ہو جائے اور خامیاں دل و دماغ قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو سکے۔ اس جذبے کے دو درجے بیان کیے جاتے ہیں یعنی عشق حقیقی اور مجازی۔ اُردو کے دیگر شعراء کی مانند عشق کا موضوع بطور خاص زیب النساء زیبیؔ کے کلام کا حصہ ہے اور غزل خاص طور پر اس جذبے سے متاثر نظر آتی ہے۔ غزلیہ کلام کا حصہ ہے اور غزل خاص طور پر اس جذبے سے متاثر نظر آتی ہے۔ غزلیہ کلام کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ زیبیؔ کا

عشق مجازی اور حقیقی تک محدود نہیں بلکہ اُن کے کلام میں یہ دائرہ انسانیت کے دیگر مظاہر تک پھیلا ہوا ہے۔ زیب النساء زیبیؔ کے کلام میں مہر و وفا کی خوشبو نظر آتی ہے۔ وہ روایتی لوگوں کی طرح نہیں کہ اُس کا محبوب اُسے جو حکم دے اُس کی پیروی کرئے مگر وہ اپنا فرض سمجھتی ہیں کہ ایک انسان ہونے کے ناطے اُس سے غلطی ہو سکتی ہے لہٰذا غلطی کے سدھار کا کفارہ یہی ہو سکتا ہے کہ اُسے مسلسل سمجھاتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ کا عشق انسان کو اس بلندی پر فائز کر دیتا ہے کہ وہ دنیا کے تمام انسانوں کو اپنے سے زیادہ بلند اور اعلیٰ سمجھتا ہے۔ یوں تر ہر ایک کی خدمت کرنا اور ہر ایک کو محترم جاننا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ کوئی بھی انسان، جانور، درندہ حتیٰ کہ جمادات و نباتات سب اشیا اُس کی محبت کا مرکز ٹھہرتی ہیں وہ سب کو اُن کی اصل حیثیت کے مطابق مقام دینے کی کوشش میں ہمہ تن مصروف رہتا ہے۔ زیب النساء زیبیؔ کی غزل گوئی مذکورہ بیان کے عین مطابق ہے اور اُس کا عشق زمان و مکاں کی حدود کو پھلانگتا نظر آتا ہے۔ چھوٹے بڑے مسائل اور جذبوں کو ایک ساتھ نتھی کر کے پیش کرنے کا ملکہ زیب النساء زیبیؔ کے پاس ہے۔ اُن کی غزل کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ معاشرتی اور معاشی رویوں اور مادوں کو اس جذبے سے منسلک کر کے اچھوتے انداز کی غزل کہنے میں مہارت رکھتی ہیں۔ یا یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ مادیت پرستی اور روحانی وابستگی دونوں طرح کے جذبے دراصل غزل میں جسم و روح کی حیثیت رکھتے ہیں جنھیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی انھیں ایک دوسرے سے الگ کر کے دیکھا جانا کوئی اہمیت رکھتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ روبینہ ترین،ڈاکٹر،''نئی غزل کا وژن'' مشمولہ''فنون'' لاہور،شمارہ۲۵ء۱۹۸۶ءص۱۷۰

۲۔ رشید احمد صدیقی،''جدید غزل'' مشمولہ''نگار'' جدید شاعری نمبر کراچی،۱۹۶۵،ص۸

۳۔ محمد اسلم قریشی ، ڈاکٹر، ''کچھ اُردو غزل کے بارے میں '' مشمولہ''نیر نگ خیال'' شمارہ، ۵۲۹، ۵۳۰،نومبر ۱۹۷۰،ص۹۳

۴۔ ابرار احمد ، ڈاکٹر، ''کچھ اُردو غزل کے بارے میں '' مشمولہ''نیر نگ خیال'' شمارہ، ۵۲۹، ۵۳۰، نومبر ۱۹۷۰ء، ص۸۱۷

۵۔ محسن اعظم محسن ملیح آبادی، زیب النساء زیبیؔ: شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، کراچی، اگست ۲۰۱۴ء، ص۲۸۷

۶۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۲ء ص۲۱

باب سوم

زیب النساء زیبیؔ کی غزل میں سماجی موضوعات

الف۔ زیب النساء زیبیؔ کے عہد کا سماجی منظر نامہ

تقسیم بر صغیر کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ بلکہ یہ ہزاروں برس سے ایک ساتھ رہتے ہوئے انسانوں کے درمیان مذہب کی بنیاد پر ہونے والی تقسیم تھی۔ تقسیم نے موجودہ تاریخ کے ایک بہت بڑے بحران کو جنم دیا۔ یعنی مذہب کی بنیاد پر ہونے والی عظیم ہجرت جس نے دونوں جانب کے باسیوں کی زندگی میں ہمیشہ کے لیے تبدیلی پیدا کر دی۔ اردو ادب چاہے نثری صورت میں ہو یا منظوم ہر دو صورتوں میں پنجاب اُس کے لیے زرخیز ترین خطہ زمین رہا ہے۔ ہجرت کے بعد نہ صرف مشرقی پنجاب بلکہ اُردو بولنے والے علاقوں سے بھی بے شمار شعراء اور ادیبوں نے پنجاب سمیت پاکستان کے دیگر علاقوں میں رہائش اختیار کی۔ پاکستان کا پہلا آئین معاشی حالات کی دگرگوئی کے سبب ۱۹۵۶ء میں منظور ہوا۔ جس کی عمر فقط ۲ سے ۳ برس رہی اور ملک پر پہلے مارشل لاء کے بعد نوزائیدہ آئین ختم کر دیا۔ معاشی حالات کے سخت ہونے مہاجرین کے سیلاب سے نمٹنے اور دیگر وجوہات کی بناء پر پاکستانی معاشرہ ابتداء ہی سے کشمکش کی صورتحال سے دوچار رہا۔ جنرل ایوب خان کے دورِ اقتدار میں جہاں صنعتی ترقی کی رفتار تیز ہوئی تو دوسری جانب قوانین کی کمزوری کی وجہ سے غریب اور امیر کے درمیان خلیج بڑھتی چلی گئی۔ یہ ایک طرح سے اچھا بھی تھا کیونکہ ہماری گزشتہ حکومتوں نے ہندوستان کی طرز پر جاگیرداری نظام کو ختم کرنے کے اسباب پیدا نہیں کیے تو صنعتی نظام کی ترقی کی وجہ سے جاگیرداری نظام کے بالمقابل ایک نئے نظام نے پاکستان میں جڑ پکڑنا شروع کر دی۔ قریب تھا کہ سولہویں اور سترہویں صدی کی مانند یورپی ممالک کی طرح پاکستان میں بھی جاگیرداری نظام منافع اور مزارع نہ ملنے کے سبب بربادی کا شکار ہو جاتا مگر ۱۹۷۱ء میں سقوط ڈھاکہ کے بعد ذوالفقار علی بھٹو وزیر اعظم پاکستان کی نشنیلزیشن کی پالیسی کی وجہ سے صنعتی نظام کی ترقی کو زبردست زک پہنچی اور جاگیرداری نظام زمینی اصلاحات کی ناکامی کی وجہ سے مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ کم و بیش ۶۰ اور ۷۰ کی دہائی کے مابین اُردو ادب میں قدم رکھنے والی زیب النساء زیبیؔ کے ذہن میں یہی منظر نامہ واضح تھا۔ جس کے سبب پاکستان کی افغان روس جنگ میں شرکت دہشت گردی معاشرے کی تباہی انسانی اقدار کا مٹنا اور خود پرستی جیسے اقدار کا اچھے اقدار کے مقابلے میں پنپنا جیسے موضوعات زیب النساء زیبیؔ کے شعری و ادبی سفر میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ ۶۰، ۷۰ اور ۸۰ کی دہائیوں میں سیاسی بد نظمی کی وجہ سے معاشرے پر جو

اثرات مرتب ہوئے اُس نے شعر و ادب کی اصناف اور رجحانات میں بھی تبدیلی پیدا کر دی۔ ۶۰اور ۷۰ کی دہائیوں میں انگریزی اور مقامی اثرات کے سبب نئی اصناف جیسا کہ انشائیہ، نثری نظم، ہائکو، آزاد غزل وغیرہ جیسی اصناف نے ترقی کی ان میں سے بعض اصناف اردو ادب کے قارئین اور ادیبوں میں معروف ہونے کے سبب ہمیشہ کے لیے رواج پا گئیں اور کچھ بے ڈھنگ اور بغیر قاعدے کے ہونے کے سبب ایک مخصوص عرصے کے بعد تاریخ گرَد میں گم ہو گئیں۔

ڈاکٹر رشید امجد ۶۰ کی دہائی میں ابھرنے والے ادبی رجحانات کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

> ساٹھ کی دہائی میں جو نسل سامنے آئی اس نے خود کو اعلانیہ غیر نظریاتی کہا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ترقی پسند تحریک کی وجہ سے خارجی حقیقت نگاری کا رجحان پروان چڑھا تھا وہ داخل کی طرف مڑ گیا۔ کردار سائے بن کر بے نام ہوئے اور ٹھوس واقعات کی بجائے خیال اور ائیڈیا کہانی میں اہم ہوئے۔ شاعری میں بھی افسانے کے مقابلے میں داخلی احساسات کی زیادہ ترجمانی ہوتی ہے۔ داخلیت پسندی گہری ہو کر نفسیاتی دروں بینی اور دوسری ذات کی تلاش کی محرک ہوئی۔ نئی لسانی تشکیلات، استعارہ سازی کا نیا تصور، علامت و تجرید کی بحیثیت موضوعات پر حاوی ہو گئیں۔ ہیت و تکنیک کے نئے تجربوں اور اسلوب و اظہار کے نئے انداز نے تفہیم و ترسیل کے مسائل پیدا کر دیے ایک حوالے سے دیکھا جائے تو یہ دہائی ترقی پسند تحریک کے ردِ عمل کا زمانہ ہے موضوعات کا دائرہ سمٹ گیا اور ہیت و تکنیک اور اسلوب و اظہار کے نئے نئے تجربوں کی راہیں کھلیں۔ا

تقسیم کے بعد پاکستان دو حصوں میں منقسم رہا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ حکمران اتنے بیدار مغز ہوتے کہ زبان کے فرق اور موسمی و تہذیبی رجحان میں یکسانیت پیدا کرنے کی کوشش کرتے اور دونوں منطقوں کے عوام کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں اپنا کردار ادا کرتے۔ لیکن ایسا بد قسمتی سے نہ ہو سکا اور دونوں خطوں کے درمیان معاشرتی ٹوٹ پھوٹ میں سیاسی عنصر شامل ہو گیا۔

۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش کے قیام کے بعد ہماری مشکلات کو کم ہونا چاہیے تھا مگر ۱۹۷۸ء میں روس اور افغان حکومتوں کے درمیان اختلافات اس قدر بڑھا کہ روس نے افغانستان کو اپنا دست نگر بنانے کے لیے اُس پر حملہ کر دیا اور افغان مہاجرین کے سیلاب نے پاکستان معاشرت کو ہمیشہ کے لیے تبدیل کر دیا۔ حکومتوں کی

نالائقی کے سبب پاکستان پہلے ہی معاشی طور پر دگرگوں تھا۔ مگر افغان مہاجرین کی آمد نے اس کی غربت اور ناداری کو مزید سخت اور تلخ بنادیا۔ اس تمام پسِ منظر میں زیب النساء زیبیؔ کی شاعری معاشرتی حالات کی خرابی کا نوحہ سناتی نظر آتی ہے۔

اتنے پتاک سے نہ ملو ہر کسی سے تم
اپنے نہیں ہیں وہ جنہیں ہم پالتے رہے

(کلیات ''کاردوام''، دل میں ہیں آپ، ص، ۹۵)

انسانی احساسات اُس کی معاشرت کے تابع ہوتے ہیں اور حالات کی خرابی ایک حساس شاعر کو کیسے متاثر کر سکتے ہیں۔ اُس کی ایک صورت ہم شاعری میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ ۲۰۰۱ء میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے کے بعد دنیاوی معاشرت میں ایک اور پلٹا کھایا۔ پاکستان چونکہ اس تمام عرصے میں مغربی اور امریکی اتحادی رہا ہے لہذا اول ریاست ہونے کے سبب حالات کی خرابی اور معاشرت کی تباہی کی صورت میں سب سے زیادہ نقصان بھی پاکستان ہی کو اُٹھانا پڑا ہے روس افغان جنگ نے پاکستانی عوام کو ہتھیاروں بالخصوص کلاشنکوف کلچر کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا تو ۲۰۰۱ء میں امریکہ کا منظور نظر اتحادی بننے کے سبب خودکش دھماکوں اور دہشت گردی میں پاکستان کے نرم چہرے کو بگاڑنے میں اہم کردار ادا کیا۔

میری شہرت کا یہ عالم ہے کہ زیبیؔ اکثر
حاسدوں نے بھی مرے فن سے ضیا پائی ہے

(کلیات ''کاردوام''، دل میں ہیں آپ، ص، ۹۸)

حرص، لالچ اور خود غرضی انسانی فطرت کا خاصہ رہا ہے لیکن اس کو بہتر معاشرتی حالات اور تربیت کے سبب کم ترین سطح پر لانے میں کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے بد قسمتی سے پاکستان ہمیشہ سے سیاسی بے چینی اور خراب معاشرتی حالات کا شکار رہا ہے ان اسباب کو حکومتوں نے ختم کرنے یا بہتر معاشرے کی تعمیر میں کردار ادا نہیں کیا۔

خراب معاشرتی حالات کے سبب فرد و واحد کی تنہائی، بے بسی اور مایوسی میں زبردست اضافہ ہوا ایک حساس شاعر کو زمین سے مطابقت نہ رکھنے اور ہوا میں تعمیر شدہ معاشرے نے بے حد متاثر کیا اور یوں اُس کی زبان مزید تلخ ہوتی چلی گئی۔ تاہم زیب النساء زیبیؔ کے اشعار کی تلخی میں زہریلا پن نہیں بلکہ جھنجوڑ دینے والی کیفیت نظر آتی ہے جسے وہ مخاطب لوگوں کو سمجھانے کا فریضہ انجام دینا چاہتی ہیں۔

خلیل الرحمان اعظمی لکھتے ہیں۔

> حصول آزادی اور تقسیم ہند کے بعد ان نعروں اور نشوں کا اور ان خوابوں اور آدرشوں کا طلسم جس طرح ٹوٹا ہے وہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی طرف سے آنکھ بند کر لینا کوئی سیاسی مصلحت ہو تو ہو لیکن کسی حساس ادیب یا شاعر کا ان کی شکست کے احساس سے بچایا نہیں جا سکتا خاص طور پر اس نسل کے جو جدید علوم کے زیر سایہ رہ کر قدیم مذہبی اور روحانی تصورات کی وراثت سے بھی محروم ہے۔ ۲

پہلی جنگ عظیم میں تار اور دوسری جنگ عظیم کے دوران تار ٹیلی فون، ریل کا نظام اور دوسری کئی دیگر اشیاء ہنگامی بنیادوں پر ایسی ایجاد ہوئیں جس نے سفر و حضر اور دیگر شعبہ ہائے زندگی میں بے پناہ آسانیاں پیدا کی۔ بالکل اسی طرح ۲۰۰۱ء میں افغانستان پر امریکی حملے نے موبایل اور انٹرنیٹ کی سہولت کو عوام الناس تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔

اکیسویں صدی کی پہلی دہائی ذرائع ابلاغ میں انقلابی تبدیلی و ترقی کی داستان بیان کرتی ہے۔ جس نے دنیا میں پرانے نظریات دوریوں، ہجر و وصال کی کیفیات اور اس جیسے دیگر وسائل کا تصور ملیامیٹ کر کے رکھ دیا۔ ۲۰۰۰ سے قبل خطوط کا زمانہ کسی طور زندہ رہا مگر اب سرکاری خطوط اور دعوت ناموں کا سلسلہ بھی تیز رفتار معاشرتی مواصلاتی نظام انقلاب کی وجہ سے دور سے ہوتا چلا جا رہا ہے اور وہ دن دور نہیں جب اس قسم کے تصورات ہمیشہ کے لیے تاریخ کے اوراق کی زینت بن جائیں گے اس انقلابی تبدیلی نے جہاں انسانی معاشرت میں ایک زبردست نوعیت کا تحرک پیدا کیا تو دوسری جانب ایک ہی انسان اپنے گھر کے ہی افراد سے کٹ کر رہ گیا۔ اخلاقی اور دانائی پر مبنی لوک حکایات اور قصے کبھی کے ہوا ہو چکے ہیں۔ موجودہ نوجوان اور بچے نئی ہونے والی پیش رفت کے تناظر میں ایک رو میں بہتے چلے جا رہے ہیں۔ چونکہ جنوبی اشیاء بالخصوص پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش جیسے ممالک مغربی تعلیم سے بھی پوری طرح بہرہ مند نہیں ہیں۔ ٹیکنالوجی میں ہونے والی ترقی کی وجہ سے معاشرے میں آنے والی خرابیوں کو دور کرنے کی صلاحیت میں ان ممالک میں کمی پائی جاتی ہے۔ ان تمام ترقیوں کے ساتھ ساتھ اخبارات، رسائل اور الیکٹرنک میڈیا کے میدان میں جنوبی ایشاء نے دنیا کے دیگر ممالک کی نسبت زیادہ تیزی سے ترقی کی ہے۔ جس کی بنیادی وجہ عقل و شعور اور تعلیمی میدان میں ان ممالک کی کامیابیاں ہیں۔ ٹیکنالوجی کے اس تیز رفتار ترقی کے سفر میں انسانی زندگی میں جو المیہ پیدا کیا ہے اس سے متعلق شمیم حنفی لکھتے ہیں۔

ایک طرف جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کا رعب داب ہے دوسری طرف اس سے نفرت برگشتگی کا احساس عام ہوتا جاتا ہے۔۔۔ایک طرف آدم زادوں کی بھیڑ بڑھتی جاتی ہے لگتا ہے کیڑے مکوڑے ہر طرف پھیلتے جاتے ہیں تو دوسری طرف یہ کہ ہر شخص تنہائی کے عذاب میں اپنے دل کا درد کہے تو کس سے اور کیسے کہے؟ لفظ بھی تو معنی سے محروم ہو جاتے ہیں۔۳

زیب النساء زیبیؔ کا عہد ایک سماج سے دوسرے سماج میں بدلاو کا زمانہ ہے جس میں کئی ان کہی کہانیاں چھپی ہوئی ہیں غربت ہو، محرومی ہو، بے روزگاری کے عذاب کا سامنا ہو خاندان کے ٹوٹنے پھوٹنے کا منظر ہو یا پھر قتل غارت گری، دہشت گردی اور بم دھماکوں میں انسانی جانوں کا ضیاع اور مال و متاع کی تباہی و بربادی کی داستان ہو، موصوفہ کی شاعری میں ان سب رجحانات کے بارے میں کھلم کھلا سب بیان ہوا ہے۔ چونکہ اُنھیں ماضی کے حالات سے آگاہی اور حال کے حالات کا تجربہ ہے جس کی وجہ سے اُس کے قلم کی کاٹ میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔اُس کی شاعری یہ بات چیخ چیخ کر بیان کرتی ہے کہ ہم ماضی سے کٹ کر حال کے کتنے تلخ حالات کا سامنا کر رہے ہیں۔

ب۔ بھوک، غربت اور مزدور

انسانی معاشرہ ہمیشہ سے اس بات کا متلاشی رہا ہے کہ کس طرح عام انسانوں کے حالات اور تلخی اوقات کو بہتر بنایا جا سکے۔ کیونکہ غربت، ناداری اور بھوک انسانی معاشرے کے نرم چہرے کو تبدیل کر کے ایک سفاک اور مکروہ چہرے کا روپ دے دیتی ہے۔انسانی اقدار سچائی کی قدر و قیمت دوسرے انسانوں کا خیال اور اُن کے حقوق کی نگہبانی انسانی معاشرے کے فرائض میں ثانوی حیثیت حاصل کر لیتی ہے اور اس کی جگہ ایک دوسرے کے حقوق چھین کر اپنی روزی روٹی کا سامان پیدا کرنے کی تباہ کن حس زیادہ طاقتور ہو جاتی ہے اور یوں معاشرہ معاشی حالات کی ناہمواری کی وجہ سے تباہی سے دوچار ہو جاتا ہے اسلام سے پہلے اور اسلام آنے کے بعد بھی مسلم اور غیر مسلم معاشروں میں معاشی ماہرین انسانوں کے درمیان معاشی خلیج کو کم کرنے پر نظریات پیش کرتے رہے۔

۱۹۱۷ء میں روس میں آنے والے اشتراکی نظامِ فکر پر مبنی معاشی نظام کے نفاد کے سبب ایک دفعہ پھر اس بحث میں شدت پیدا ہو گئی کہ آیا معاشی زندگی کی بہتری ہی انسانی معاشرے کے عروج کے حصول کے لیے ضروری ہے اور سب لوگوں کو یکساں سہولیات دینے سے اور معاشرتی ناہمواریوں کو دور کرنے کے نام پر لوگوں

کو آبائی زمینوں اور رہائش گاہوں سے محروم کرنا انصاف پر مبنی ہے یا اسلام کے طرزِ حیات کو اپناتے ہوئے زکوۃ اور عشر کا نفاذ زیادہ امیر اور بالا دست طبقے پر ضروری ہے۔ یوں تو بہت سے نظریات جن کی بنیاد معاشی فلسفے پر تھی مشہور ہوئے۔ لیکن کارل مارکس کے معاشی فلسفے سے زیادہ اہمیت کسی کو حاصل نہ ہوئی۔ کارل مارکس سے قبل بھی اس قسم کے نظریات اسلامی اور غیر اسلامی دونوں معاشروں میں گردش کرتے رہے ہیں۔ لیکن کارل مارکس جیسے ذہین مفکر نے اشتراکیت یا اشتمالیت کے نظریے کو جس قدر خوبصورتی اور جذباتی انداز میں پیش کیا اس نے تمام دنیا کے معاشی اور سیاسی نظاموں کو پلٹ کر رکھ دیا کارل مارکس کا نظریہ اس قدر طاقتور تھا کہ دنیا بھر کے ادیب اور شعرا اس کے اثر سے محفوظ نہ رہے۔ متحدہ ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت اور برطانوی نو آبادی ہونے کی وجہ سے لوٹ کھسوٹ اپنے انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اور چند خاندانوں اور افسران یا انگریز حکومت کے ملازمین ہی فاقوں سے نہ صرف بچے ہوئے تھے بلکہ بہت اچھی طرح اپنی گزر اوقات کر رہے تھے۔ لیکن ہندوستان کا عام آدمی حکومت کی بدعنوانی اور وسائل کی لوٹ مار کی وجہ سے غیر مطمین اور پریشان تھا ایسے میں شعراء اور ادیب حضرات کارل مارکس کے نظریے سے کیسے متاثر نہ ہوتے۔ چنانچہ پریم چند کے ہاتھوں ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند مصنفین کے پہلے ہی اجلاس میں آغاز و مقاصد واضح کر دیے گئے۔

قیام پاکستان کے بعد ''حلقہ اربابِ ذوق'' جو کہ رومانیت کے تحریک کا ہی دوبارہ آغاز تھا اس کو زیادہ کامیابی ملی اور ترقی پسند تحریک پس منظر میں چلی گئی لیکن اس کے اثرات اس قدر طاقتور اور ہمہ گیر تھے کہ عام شعراء اور ادیبوں نے بھی غربت، بھوک جہالت بے روزگاری اور اس جیسی دوسری معاشرتی برائیوں پر قلم اُٹھانا شروع کر دیا جو اس سے پہلے عام رائج الوقت رسم نہ تھی کیونکہ اب تمام شعراء جن کے رومانوی رجحانات زیادہ اہم تھے انہوں نے بھی بہت سارے ایسے موضوعات کو اختیار کیا جو اس سے پہلے صرف اور صرف اشتراکی نظر و فکر رکھنے والے شعراء اور ادیبوں کا خاصہ رہا تھا۔ زیب النساء زیبیؔ بھی اُنہی میں سے ایک ہیں گو اُن کی شاعری کا زمانہ سن ۷۰ کی دہائی سے آغاز ہوتا ہے مگر ہمیں اُن کی شاعری کی مکمل طور پر سمجھنے کے لیے اُس وقت کے حالات چاہے اُس کا معاملہ سیاست سے ہو، معیشت سے ہو یا معاشرت سے ہو سب کا جائزہ لینا پڑے گا۔ یوں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ سوائے پہلی کتابوں میں رومانوی رجحانات نمایاں نظر آتے ہیں بعد میں شائع ہونے والے مجموعے رومان کے جذبوں کے ساتھ معیشت اور اور معاشرت کے خراب حالات کی کہانی بیان کرتے ہیں۔ وہ لکھتی ہیں۔

زبان ہوتی ہے جبر کے موسموں میں گم صم
کہ ظلم سے ہاتھ، ظالموں نے ملا لیا ہے

(کلیات ''کاردوام''، تم میرے ہو، زیب النساء زیبیؔ، ص، ۲۵۸)

یہ آدمی بھوک و تشنگی سے ہوا ہے بے بس
کہ اُس نے پاؤں پہ جرم کے سر جھکا لیا ہے

(کلیات ''کاردوام''، تم میرے ہو، ص، ۲۵۸)

حقیقیت یہ ہے کہ غربت مفلسی اور ناداری معاشرے میں نا صرف جرائم پیشہ افراد کی کمی پورا کرتی ہے بلکہ بعض دیگر خرابیاں جو اس نوع کی سماجی بُرائی سے وابستہ ہیں وہ بھی معاشرے کا لازم و ملزوم حصہ بن جاتی ہیں کیونکہ غربت میں انسانی معاشرہ ہر قسم کے مذہبی اور اخلاقی پابندیوں اور اقدار سے محروم ہو جاتا ہے۔ پاکستان کے قیام کے بعد ابتدائی چند حکمرانوں کے علاوہ بقیہ دیگر نے صرف اپنے مفادات اور مالی فوائد کو پیش نظر رکھا جس کی وجہ سے معاشرہ دن بدن اخلاقی پستی کا شکار ہوتا چلا گیا۔ کیونکہ معاشرے میں پرورش پانے والے اچھے اور متوازن جذبات زیادہ خراب معاشی حالات کے سبب مرجھا گئے۔ زیب النساء زیبیؔ کے لیے ایک حساس شاعرہ ہونے کے ناطے معاشی ناہمواری اور غربت کے ہاتھوں معاشرے کے ٹوٹ پھوٹ کا عمل انتہائی کرب ناک ہے اور اُس کی آواز بعض جگہ صدا نہیں رہتی بلکہ سوئے ہوؤں کے لیے ایک جرس کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے

کس کی توجہ یارو! اس بات کی طرف ہے
مقتل کے جیسے کیوں ہیں میدان آج کل کے

(کلیات ''کاردوام''، دل میں ہیں آپ، ص، ۲۱۵)

لٹنے لگی ہے اب تو دولت فقیر کی بھی
چوروں سے بھر گئے ہیں ایوان آج کل کے

(کلیات ''کاردوام''، دل میں ہیں آپ، ص، ۲۱۵)

موجودہ تیز رفتار ترقی نے انسانوں سے اخلاقیات کی بنیادی اقدار بھلا دی ہیں اور ہر شخص اپنے مفاد کے لیے دوسروں کو کچلنے سے گریز نہیں کرتا یہ معاشرہ رفتہ رفتہ انسانی معاشرت سے گزر کر حیوانی معاشرے میں تبدیل ہوتا جا رہا ہے۔ اس حوالے سے زیبیؔ کا یہ شعر بہت بر محل ہے۔

سانپوں کا ذکر زیبیؔ بے محل ہو گیا ہے
انساں کوڈس رہے ہیں انسان آج کل کے

(کلیات ''کاردوام''،دل میں ہیں آپ، ص،۲۱۵)

کسی جگہ بھی زیب النساءزیبیؔ کا لہجہ اور آہنگ مایوسی اور یاسیت کا علمبر دار نہیں ہے بلکہ اُمید اور رجائیت کی کرنیں اُس کے لفظوں سے پھوٹتی ہیں۔

مجھ سے بچ کر کہاں وہ جائے گا
وہ تو میری نظر میں رہتا ہے

(کلیات ''کاردوام''،دل میں ہیں آپ، ص،۲۱۴)

قافلے رات ہی کو جاتے ہیں
دھیان سب کا سحر میں رہتا ہے

(کلیات ''کاردوام''،دل میں ہیں آپ، ص،۲۱۴)

غربت مفلسی اور مزدوروں کے سخت حالات زیب النساءزیبیؔ جیسی حساس اور باریک بین شاعرہ کو ہر وقت بے چین رکھتے ہیں۔

بنگلے فلیٹ کوٹھیاں اوروں کو مل گئے
دو گز زمیں کا ہم کو اجارہ نہ مل سکا

(کلیات ''کاردوام''، تیری یاد آتی ہے، ص،۲۲۲)

غربت کو منہ لگایا نہ زردار نے کبھی
ہم کو تسلیوں کا سہارا نہ مل سکا

(کلیات ''کاردوام''، تیری یاد آتی ہے، ص،۲۲۲)

قیام پاکستان سے قبل اور بعد میں پاکستان اور بھارت یا یہ کہنا چاہیے کہ جنوبی ایشیا کے بیشتر ممالک میں نیم خواندگی اور کم علمی کی وجہ سے آبادی میں شرح اضافہ خوفناک حد تک زیادہ رہا ہے۔ جس کی وجہ سے معاشرتی اور معاشی مسائل جنم لیتے رہے ہیں۔ کثیر رکنی خاندان ہونے کی وجہ سے پاکستان کے اکثر گھرانوں کے بچے تعلیمی میدان میں وسائل کی کم یابی کی وجہ سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ اور ہر گزرتے دن کے ساتھ آبادی میں ناخواندہ جرائم پیشہ اور اخلاقیات واقدار اعلیٰ سے عاری افراد کی تعداد تیزی سے بڑھتی جارہی ہے۔ سرکار کی ذمہ

داری تو یہ تھی کہ ان ناخواندہ افراد کو فنی تعلیم و تربیت دے کر بوجھ کو ایک نعمت میں بدل دیا جاتا۔ مگر بد قسمتی سے نااہل حکمرانوں اور غیر ہموار جمہوری عمل کے تسلسل کی وجہ سے پالیسوں میں استحکام اور روانی کا عنصر موجود نہیں رہا اور آج صورت حال یہ ہے کہ ہم دنیا کی چھٹی بڑی آبادی رکھنے والے ملک کی حیثیت سے اپنی پہچان قائم کیے ہوئے ہیں۔ یہ صورت حال اگر یونہی قائم رہی تو وہ لمحہ دور نہیں جب وطن عزیز میں خوراک پانی اور رہائش کے مسائل ناممکن حد تک غیر حل پذیر رہ جائیں گے۔ آبادی میں اس خوفناک اضافے کی وجہ سے جہاں حکومت کو روزگار کی فراہمی میں شدید مشکلات کا سامنا ہے تو دوسری جانب یہ اضافہ معاشرتی سطح پر بھی سنگین مسائل پیدا کر رہا ہے۔ زیادہ بچوں کی پیدائش کے سبب بچوں کی تعلیم و تربیت پر یکساں توجہ مرکوز رکھنا ممکن نہیں رہا اور یہی بچے جرائم میں تشویش کا باعث بن رہے ہیں یہی ایک مسئلہ ہے کہ جس کی وجہ سے بھوک، غربت ناداری، بے گھری جیسے مسائل ہماری معیشت پر بوجھ بن گئے ہیں۔ شہری زندگی میں افراتفری، شور و غوغا، گداگروں اور رساگیروں کی بھرمار نے تلاطم برپا کر رکھا ہے۔

اسی حوالے سے زیب النساء زیبی کہتی ہے

رفیقوں کو کفن تک بھی میسر آنہیں سکتا
کچھ ایسا ہو گیا دیکھو یہاں اجڑا ہوا انساں

(کلیات "کاردوام"، کوئے محبوب سے ہجرت، ص، ۱۵۰۰)

ہوئے معذور کیوں بیمار کیوں ہنستے ہوئے چہرے
ترقی کے زمانے میں ہے پھر بکتا ہوا انساں

(کلیات "کاردوام"، کوئے محبوب سے ہجرت، ص، ۱۵۰۰)

زیب النساء زیبی کو موجودہ دور میں انسان کی بے توقیری کا سخت دکھ ہے جو روزی روٹی کی خاطر اپنی عزت اور انا سے محروم ہو چکے ہیں اور کم ظرف انسانوں کے آگے جھکے رہنے پر مجبور ہیں۔

چھن گئی ہے عزت و توقیر سب
پیٹ کا دوزخ تو بھرنا تھا مجھے

(کلیات "کاردوام"، کوئے محبوب سے ہجرت، ص، ۱۵۰۱)

یہ بات ناممکن ہے کہ کسی جگہ ترقی اور معیشت میں تیزی کا جان ہو اور وہاں مزدور طبقہ موجود نہ ہو یہ طبقہ ہر معاشرے کا جزولاینفک ہے۔ لیکن ترقی پذیر معاشروں میں مزدور کی حالت زار قابل دید اور قابل

افسوس ہے۔ حتی کہ ترقی یافتہ معاشرے میں بھی مزدوروں کی پوری طرح سے نگہداشت نہیں کی جاتی۔ طبقہ اشرافیہ کے اس غلط رجحان کی وجہ سے مزدور طبقہ مسلسل معاشرتی اور معاشی مسائل کا شکار ہے اور اسی وجہ سے بالخصوص یورپی ممالک تحریکوں کا شکار رہے ہیں۔ وہ تحرکیں جن کی بنیاد معیشت پر تھی۔

۱۹۱۷ء کے کمیونسٹ انقلاب کے بعد بہت سارے مشرقی یورپی ممالک لاطینی امریکہ کے چند ممالک اور دنیا کے اور چند خطوں میں کمیونسٹ انقلاب نے اپنے پنجے گاڑ لیے۔

۱۹۵۰ء کے بعد بہت سارے یورپی ممالک جو سرمایہ دارانہ نظام حکومت کے حامل تھے۔ انہوں نے ایک فلاحی مملکت کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا اور اسی طور معیشت اور صنعت کے کاروبار میں تبدیلیاں شروع کر دیں اور مستقبل میں ان ممالک میں حقیقتاً فلاحی ریاستوں کی صورت اختیار کر لی۔ ان ممالک کا یہ اضطراری عمل کمیونزم کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کو کم کرنا تھا لیکن یہ عمل زیادہ موثر ثابت ہوا اور خاص طور پر معاشی لحاظ سے کم اُجرت کے حامل طبقہ کے لیے دورس ثابت ہوا۔

زیب النساء زیبی کی شاعری کا آغاز ۸۰۔۱۹۷۰ کے مابین ہوتا ہے یہ وہ روز و شب تھے جب امریکہ اور سوویت یونین کے مابین سرد جنگ کا خاتمہ افغان روس جنگ کی صورت میں ہو چکا تھا دونوں بڑی طاقتوں نے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے اجنبی اور مفلس سرزمین کا انتخاب کیا۔ روس افغان جنگ سوویت یونین کے خاتمے پر منتج ہوئی۔ امریکہ کے سرمایہ دارانہ نظام کی پوری دنیا پر مکمل کنٹرول کے بعد مزدور اور کاریگر طبقہ ایک دفعہ پھر اُسی استحصال کا شکار ہے جس کا آغاز قریباً ایک صدی قبل ہوا تھا۔ صنعتی ترقی اور ٹیکنالوجی کے بے اندازہ اور بے رحمانہ استعمال کے سبب طبقہ مزدور کے حالات مسلسل زوال کا شکار رہے ہیں۔

زیب النساء زیبی کی پیدائش سے لیکر موجودہ حالات تک کا زمانہ مسلسل انقلابی اور عجیب کیفیت کا زمانہ ہے جس میں خیر و شر کی جنگ بپا جاری ہے اور اسی مختلف النوع تجربات کی وجہ سے اُن کے شعر خانگی اور ملکی اقتصاد کی رنگارنگ تصویر پیش کرتے ہیں۔ مزدور کے کچلے ہوئے آرزو پسینے اور تھکن سے چور بدن، ویران چہرے یاسیت بھری آنکھیں دکھوں کی المناک داستان سناتے ہیں اور یہی داستان شعروں کی صورت میں زیب النساء زیبی کے دیوان میں دکھائی دیتی ہیں۔

علی حسین جمالی اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

> انسانوں کے مابین رشتے ناطوں کی اہمیت ان کے جذبات و احساسات اور کیفیات کو نہایت سادگی و صلاحیت کے ساتھ بیان کرنے کا وہ ہنر جانتی ہیں وہ انسانوں کے مابین

اونچ نیچ کے فرق کے بجائے انسانیت کی عظمت کی قائل ہیں۔ انہوں نے اپنی اکثر نظموں اور غزلوں میں طبقاتی و معاشی کشمکش اور مفلوج طبقے کے ساتھ ہونے والے مسائل کو موضوعِ گفتگو بنایا ہے۔ ان کی تحریروں کا مطمحِ نظر ذہنی تفریح اور عیاشی ہر گز نہیں ہے۔ بلکہ سماج کی ناانصافیوں ، ناہمواریوں اور پس ماندہ طبقے کے لیے صدائے احتجاج بلند کرنا اور ان کی فکر اور جذبات واحساسات کو عام کرنا ہی ان کا مقصد فکر ہے۔ ۴

مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ معاشی و معاشرتی حالات طبقہ مزدور کی بے باک نمائندگی اور کسی سیاسی تنظیم سے وابستگی کیے بغیر زیب النساز یبی کی شاعری ایک مکمل باب کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس میں تمام ضروری لوازم پورے طور پر موجود ہیں۔

ج۔ دہشت گردی اور مذہبی تفرقہ بندی

انگریزوں کے دور سے قبل ہندوستان بہت کم ہی مذہبی تفرقہ بندی اور نسلی و گروہی سیاست کا شکار رہا ہے تاہم سترھویں صدی میں ملکہ انگلستان وکٹوریا کی سرپرستی میں انگریزی افواج کی تسلط گیری اپنے عروج کو پہنچ گئی جہاں ایک طرف انیسویں صدی کے آخر میں ہندوستان مکمل طور پر تاج برطانیہ کے زیر نگیں آگیا تو دوسری جانب امریکہ کا وسیع و عریض علاقہ اور اسٹریلیا براعظم اور کینڈا انگریزی اقتدار کے زیر سایہ آگئے یوں صنعتی میدان میں برطانیہ نے دیگر یورپی ممالک کی نسبت زیادہ تیزی سے ترقی کی انگلستان کی اس ترقی کے پیچھے برصغیر اور دیگر انگریزی مقبوضات کی بے پناہ دولت اور غلاموں کا بہت ہاتھ تھا۔ انگریزوں نے یہاں کے لوگوں کی نفسیات کو سمجھنے کے لیے ابتداء ہی میں کوشش شروع کر دی تھیں۔ اور فورٹ ولیم کالج اس حکمت عملی کا ایک واضح مگر چھوٹا نمونہ تھا۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے برپا ہونے کا بنیادی سبب دنیا کے وسائل پر قبضے کی جنگ تھا۔ ان دونوں جنگوں کے دوران کروڑوں افراد کی ہلاکت ہوئی اور کروڑوں ہی لوگ بے گھر ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم برصغیر کے بعد انگریزی تعلیم کے اثرات مکمل طور پر غائب نہ ہو سکے اور اسی ذہن کے ساتھ دونوں حکومتوں نے اقلیتوں کو دبانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ تقسیم سے قبل ۱۹۶۷ء میں اُردو ہندی تنازع اور بہت سے دیگر مسائل کے وجود کی بنیاد انگریزوں کی اپنے مخالفوں کو ختم کرنے کی پالیسی تھی۔ جس کے اثرات ہمیشہ قائم رہے دوسری جنگ عظیم کے بعد بھی دنیاوی وسائل پر قبضے کی جنگ یا دوڑ اختتام کو نہ پہنچ سکی بلکہ گرم پانیوں تک رسائی کی روسی خواہش کے پسِ منظر میں روس کا افغانستان پر حملہ اور امریکہ اور اُس کی دیگر

اتحادیوں کا افغان روس جنگ میں پاکستان کا استعمال پاکستان کے حق میں تباہ کن ثابت ہوا۔ اور امن پسندی رواداری کی جگہ کلاشنکوف کلچر اور منشیات کی فروانی نے لے لی۔ جنگ کے اختتام پر امریکہ اور اُس کے عربی اور یورپی اتحادیوں نے پاکستان اور افغانستان کی حمایت سے ہاتھ کھینچ لیے۔ اور یوں پاکستانی معیشت تباہی کا شکار ہو گئی۔ معیشت کی تباہی کے اثرات معاشرت پر ظاہر ہوئے۔ اور معمولی جھگڑوں کی جگہ منظم قتل و غارت گری نے لے لی۔ تخریب کاری اور بم دھماکے معمول کا حصہ بن گئے۔ ہر آفت ابھی پوری طرح ختم نہ ہوئی تھی کہ پڑوسی ملک افغانستان میں مجاہدین کا ایک گروہ طالبان کے نام سے نمودار ہوا اور علاقائی طاقتوں کی امداد کے بل بوتے پر طالبان نے افغانستان کے اکثریتی علاقے پر قبضہ کر لیا۔ کچھ بعید نہ تھا کہ افغان حکومت کے اثرات پاکستان پر پڑنا شروع ہو جاتے کہ اسامہ بن لادن کو پناہ دینے کے جرم میں طالبان پر امریکہ اور اُس کے یورپی اتحادیوں نے بمباری شروع کر دی۔ مسلسل مارشل لاء اور جمہوری حکومتوں کی نالائقی نے پاکستان کی معیشت اور معاشرت کو ایک گرداب میں پہنچا دیا۔ لوٹ مار کے اس کلچر نے ہمیشہ کی طرح معاشرے کے افراد پر سب سے پہلے اور براہ راست اثر کیا۔

محمد عالم خان لکھتے ہیں۔

> ۔۔۔ایک دفعہ پھر قومی تاریخ کا عظیم المیہ رونما ہوا اور پاکستان میں مارشل لاؤں کا موسم پھر سے آگیا۔ تمام اداروں کا وجود رفتہ رفتہ ختم ہو گیا۔ زندگی جبرِ مسلسل کے سائے میں پلنے لگی۔ بندوق اور ارڈنینس کی حکمرانی نے فرد سے زندگی تک کا احساس چھین لیا۔ معاشرے میں گھٹن، بے بسی مفلوک الحالی کا دور دورہ ہوا اور کلاشنکوف کلچر نے جنم لیا۔ ظلم و جبر کے طویل دور نے فرد اور زندگی کے درمیان گہری خلیج حائل کر دی۔ انسان صرف سانس لیتے تھے زندہ نہ تھے گوشت پوست کے دھڑ تھے جو چلتے پھرتے تھے، قید و بند کی صعوبتوں کوڑوں اور پھانسیوں نے زندگی کو بے معنی اور حقیر ترین شے میں تبدیل کر دیا۔ چاروں طرف اندھیرا تھا اور جنگل کی وحشت اور بربریت طاری تھی۔ ۵

اکیسویں صدی کا آغاز دنیا کے لوگوں بالخصوص مسلمانوں کے لیے خوشی کا پیامبر ثابت نہ ہوا۔ بلکہ اس کے آغاز ہی میں ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے ماضی کے تمام ادوار کا رخ تبدیل کر دیا۔ 9/11 ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے حادثے میں مسلمانوں کا ہاتھ ہو نہ ہو یہ حادثہ بازور طاقت اور بدمعاشی سے مسلمانوں سے منسوب کر دیا گیا یوں

پاکستانی خارجہ پالیسی میں بھی ایک زبردست نخول آیااور جنرل پرویز مشرف کی حکومت نے طالبان یادوسرے لفظوں میں افغانیوں کی مقامی حکومت کا ساتھ چھوڑ دیا۔امریکی اتحادی ہونا قبول کیاایک دفعہ پھر افغان مہاجرین کا جم غفیر پاکستانی معیشت کو لرزانے لگا تو دوسری جانب نقد امداد نے وقتی طور پر پاکستان معیشت کو سہارا دیا مگر دوسری جانب قیمتوں میں اضافے اور بعض دیگر ایسے معاشرتی اور معاشی مسائل سے پاکستان کا سامنا ہوا جو کبھی ستر سالہ تاریخ میں پاکستان کو درپیش نہ ہوئے۔خود کش حملوں،ڈاکہ زنی، تخریب کاری، سڑکوں پر ٹریفک کی بھرمار دیہاتی کلچر کا اختتام احساس محرومیت اور مہمان نوازی کے جذبات سکڑتے چلے گئے۔یہ ایسے مسائل تھے جو بالکل نئے ہونے کے ساتھ کسی بھی شاعر اور ادیب کے ذہن ودل کو متاثر کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

زیب النساء زیبیؔ کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے مندرجہ بالا حالات و اقعات سے آگاہی ان کی شاعری کو زیادہ پُر معنی باوقار اور حالات پر مبنی بنا دیتے ہیں۔چونکہ ایک شاعر کی نگاہ ایک عام پڑھے لکھے اور سانیسی مزاج رکھنے والے انسان کے مقابلے میں کہیں گہری ہوتی ہے۔لہذا یہ بات اُن کے شعری مجموعوں کے مطالعے سے واضح ہوتی ہے کہ اکیسویں صدی گزرنے والے پچھلے سترہ سال اُن کی شاعری کے اہم ترین سال ہیں۔کیونکہ معاشرے میں ہونے والی تبدیلیاں انٹرنیٹ اور ذرائع ابلاغ کی تیز رفتار ترقی کے سبب بہت تیز ہو گئیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ بیسویں صدی سترہ سال پہلے تک نہ تھی بلکہ اس کو گزرے ہوئے صدیاں ہو چکی ہیں معاشرے میں ہونے والی ان تبدیلیوں نے حساس ذہنوں کو ماؤف کر دیا اور اُن کی تخلیق صلاحیتوں کو کمزور کر دیا۔کیونکہ ان سترہ سالوں میں انسانی حرص وہوس اور لالچ کے نئے زاویے ادیبوں اور شاعروں پر آشکار ہوئے۔بیسویں صدی میں جن غیر اخلاقی کاموں اور معاملات کو برا مانا جاتا تھا۔صدی کے گزرتے پہلے عشرے ہی میں وہ افعال اشرفیہ اور متوسط طبقے کے لیے قابل افتخار بن گئے۔حرص وہوس کے ہاتھوں انسانی اقدار کی زوال پذیری ایک حساس شاعر کے لیے ناقابل برداشت ہوتی ہے یوں بھی اس سے پہلے سماج میں آنے والی خرابیوں کی تعداد اتنی زیادہ اور اتنی تیز نہ تھی اس لیے ایک بلند فکر اور مستقبل بین شخص کے لیے آنے والے سفاک زمانہ کو سمجھنا مشکل نہ تھا۔جس میں عزت وشرف کا معیار صرف اور صرف دولت ہو۔

زیبیؔ عجیب دور ہے یہ دہشتوں کا دور
سایہ بھی اپنی موت کا سایہ دکھائی دے

(کلیات "کاردوام"،دل میں ہیں آپ،ص،۸۴)

بعض جگہ دہشت گردی کا عفریت زیبیؔ کے ذہن ودل کو ایسے جھنجھوڑتا ہے۔

ہر ایک جانب بنی ہیں قتل گاہیں
بقا ہی کی دعا میں مانگتی ہوں

(کلیات ''کاردوام''،دل میں ہیں آپ، ص، ۹۲)

جب میں نے لکھی تیرے شہدوں کی کہانی
ڈوبا ہے میرے خوں میں قلم اور زیادہ

(کلیات ''کاردوام''،دل میں ہیں آپ، ص، ۱۰۱)

حساس شاعر ہمیشہ ہی اپنے گردو پیش اور زمانے سے نا صرف زیادہ وابستہ ہوتا ہے بلکہ اُس کی گہری نظریں بظاہر پر سکون معاشرے میں پلتی اضطراب کی لہروں کو قبل از وقت محسوس کر لیتا ہے۔ زیب النساز یبیؔ نے معاشرے میں دہشت گردی کے شکار لوگوں کا رونا رونے کے بجائے اُنھیں راستہ دکھانے کی کوشش کی ہے۔ البتہ اُن کا راستہ دکھانے کا طریقہ واعظانہ نہیں ہے بلکہ وہ گردو پیش کے اہم مسائل کو اپنے شعروں کا موضوع بناتی ہے اور اُن کے شعروں میں چھپے اشارے قارئین کو مذکورہ مسائل سے نکلنے کے لیے راستہ ڈھونڈنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ معاشرے میں اس قدر بے چینی ہونے کے باوجود زیب النساز یبیؔ کا لہجہ کہیں بھی مایوسی کا شکار دکھائی نہیں دیتا بلکہ رجائیت اور اُمید کی کرنیں اُن کے ہر حرف سے پھوٹی پڑتی ہیں۔ دہشت گردی اور مذہبی انتہا پسندی فرقہ پرستی چند ایسے مسائل ہیں جن پر نئے سرے سے بحث و مباحثہ کی ضرورت ہے تاکہ دنیائے عالم بالخصوص اسلامی ممالک کو دشت گردی کے خوفناک شکنجے سے نجات دلائی جا سکے اور معاشرے میں پنپنے والی اچھی اقدار کو ترقی دے کے معاشرے کو ایک فعال اور انسانی زندگی کے لیے ایک مفید آلے کی صورت دی جا سکے۔ فی زمانہ دوسروں لوگوں کے دکھ درد میں شریک مخلص لوگوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ شاعر اور ادیب اس مسلے کی سینگنی کا احساس کرتے ہوئے لوگوں کو نا صرف تعلیم دے بلکہ لوگوں کی تعلیم کے سبب حکومتوں کو عوام کے خلاف سخت اقدام سے باز رکھنے میں اُن کی مدد کریں۔ لیکن حکمرانوں کی بے حسی کے سبب یہ ملک تاحال راہ راست پر نہ آسکا۔

ڈاکٹر ابرار احمد مارشل لاؤں اور اثرات اور اس دوران میں پلنے والے نیم جمہوری معاشرے کے بارے میں کہتے ہیں۔

> باحیثیت قوم ہماری تباہی کا آغاز پہلے مارشل لاء سے ہوا جس کے نتیجے میں ملک دولخت ہو گیا۔ رہی سہی کسر دوسرے مارشل لاء نے پوری کر دی اس سیاہ ترین دور کی نحوست

بیمار جوانی کھا گئی اور اسی کے اثرات سے نہ ہمارا یہ ادھیڑ عمری کا دور ہی محفوظ ہے، نہ
بڑھاپا بچپنا دکھائی دیتا ہے اقتدار کی سربلندی کے ایام سے پائمالی اقدار کا یہ سفر ہماری ہی
قسمت میں لکھا تھا۔ میلے ٹھیلے گئے، سادگی گئی، کھیل تماشے گئے، داستان گو چپ،
چوپالیں ویران، رستوران منہدم اور دانشور اپنے اپنے گھروں کو لوٹا دیے گئے۔ ٦

تخریب کاری ارد ہشت گردی دونوں ہی ایسی خطرناک بیماریاں میں جو اثاثے محرومی تنہائی اور وحشت کو جنم دیتی ہیں۔ آدمی آدمی سے کنارہ کرتا ہے اور بے تکلفی کی فضاء ختم ہو جاتی ہے۔ زمین سے جڑے رہنے کا عمل متاثر ہوتا ہے اور جذباتی واحساس کی زندگی گزارنے کے لیے مصنوعی فضاء قائم ہو جاتی ہے۔ زیبیؔ کے مطابق

کہنے کو ہر طرف ہے بھرے شہر کا سماں
دل ہے کہ اس ہجوم میں تنہا دکھائی دے

(کلیات ''کار دوام''، دل میں ہیں آپ، ص، ۸۴)

روپے پیسے اور زر و سیم کی دوڑ میں انسانی رشتوں کو جسطرح پامال کیا ہے زیب النساء زیبیؔ کے شعروں میں اُس کا عکس کچھ ایسے دکھائی دیتا ہے

تمنائیں بھی یکساں، خون بھی، قسمت جدا کیوں ہے
یہ کس نے آدمی کو کمتر و برتر میں بانٹا ہے

(کلیات ''کار دوام''، تم میرے ہو، ص، ۲۶۱)

رشوت خوری اور جلد سے جلد امیر ہونے کی دوڑ کے بارے میں وہ کچھ یوں کہتی ہیں۔

اگرچہ رشوت میں عیش بھی مگر خرابی ہے اس میں زیبیؔ
نہیں ہے برکت ذرا بھی اس میں نہ وہ سکوں جو حلال میں تھا

(کلیات ''کار دوام''، تم میرے ہو، ص، ۲۶۰)

کہیں کہیں معاشرتی خرابیاں زیب النساء زیبیؔ کے ذہن و دل پر کچھ اس طرح کا اثر ڈالتی ہیں

جو ایک بچے کو دیکھوں دیکھتا ہے دوسرا مجھ کو
مری مجبوریوں نے فرق بچوں میں بھی رکھا ہے

(کلیات ''کار دوام''، تم میرے ہو، ص، ۲۶۰)

کوئی دکھ بانٹتا ہے اور کسی کو سہنا پڑتے ہیں
یہ انساں اپنی فطرت میں بہت ہی مختلف سا ہے

(کلیات ''کاردوام''، تم میرے ہو، ص،۲۶۱)

پاکستان کی تخلیق ''لا الہ اللہ لا'' کی بنیاد پر ہوئی تھی۔ پہلی ذیادتیوں کے پیش نظر چونکہ ملتی وحدت زیادہ ضروری تھی۔ لہذا مذہب کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی لیکن ضیاءالحق بر سر اقتدار آنے کے بعد مذہب کو لوگوں کے جذبات سے کھیلنے کا ذریعہ بنایا گیا جس کا نقصان یہ ہوا کہ جن تفرقات کو اولاً کوئی اہمیت حاصل نہ تھی روس افغان جنگ میں امریکی و مغربی اتحادی بننے کے فوراًبعد سامنے آئیں اور اپنے اقتدار کو طول دینے کی خاطر مذہب کو ایک آلے کے طور پر استعمال کیا گیا جس کا نقصان فرقہ بندی، نسلی، گروہی اور صوبائی عصبیت میں شدت کی صورت میں سامنے آیا۔ بد قسمتی سے آنے والی جمہوری ادوار میں بھی مذہبی رواداری اور برداشت کی پالیسی کو خاطر خواہ اہمیت نہ دی گئی۔ لہذا لاکھوں افراد کی زندگی اسی فرقہ بندیوں اور مذہب کے غلط استعمال کے سبب ضائع ہو گئیں۔ اس دس سالہ دور میں چونکہ مذہب کی بنیاد پر لوگوں کو کشش کرنے کی پالیسی اختیار کی گئی اسی سبب سعودی عرب اور ایران جیسے بارسوخ ممالک نے اپنی اپنی حمایت یافتہ طاقتوں کو پیسے دے کر طاقتور بنانا شروع کر دیا اور نیابتی جنگ شروع ہو گئی۔ نتیجتاً ہماری ملی وحدت پارہ پارہ ہو گئی۔ غنیمت ہے کہ اسلحے کے میدان میں ایک بلند مقام اور ایٹمی قومت ہونے کی وجہ سے علاقائی طاقتوں کو پالیسوں میں ایک خاص حد سے زیادہ داخلہ نہ مل سکا اور شاید یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں ایک بار پھر سقوطِ ڈھاکہ جیسا دلخرش واقعہ دوبارہ ہونے کے ممکنات باقی نہیں رہے۔ اسی دور کی غلط پالیسوں مذہبی جذبات نے شدت عدم برداشت اور دیگر لاتعداد مسائل نے زیبیؔ کو کسی طور آرام نہ بخشا۔

اصول دیں گر الگ الگ ہیں، شعار دیں بھی جدا جدا ہے
یہ ایک سازش ہے، جس نے مذہب ہمارا، بدنام کر دیا ہے

(کلیات ''کاردوام''، ہوں تیرے دھیان میں، زیب النساء زیبیؔ، ص،۸۶۵)

بنے ہیں جاہل یہاں تو عالم، فرنگیوں نے انہیں خریدا
وہ اپنے ڈھب سے، ہمارا مذہب بھی، اپنے مقصد میں ڈھالتا ہے

(کلیات ''کاردوام''، ہوں تیرے دھیان میں، ص،۸۶۵)

مذہب کی بنیاد پر انسانوں کی تقسیم کس قدر برے نتیجے کی حامل ہو سکتی ہے۔ پاکستان کا آج کل کا معاشرہ اس کی کھلی تصویر ہے۔

جو دہشت گرد ہیں، خود کش وہ حملے کرتے پھرتے ہیں
بپا اپنے وطن میں بھی تو مدت سے قیامت ہے

(کلیات "کاردوام"، کوئے محبوب سے ہجرت، ص،۱۵۲۹)

یہاں چند اشعار میں اُسی کی دہائی کی شریعت کے نفاذ کی جعلی مہم کے بارے میں بات کی گئی ہے۔

جو واقف ہی نہیں دیں سے، ہمارے حکمراں وہ ہیں
کہاں نافذ وطن میں، اپنے اسلامی شریعت ہے

کلیات "کاردوام" کوئے محبوب سے ہجرت (ص۱۵۲۹)

جمہوریت نواز قوتوں کی یہ بد قسمتی رہی ہے کہ سیاسی جماعتوں میں جمہوریت نہ ہونے کے سبب سالہا سال تک جماعتوں میں ایک ہی سربراہ ہوتا ہے اس وجہ سے منشور تعلیمی پس منظر اور بہتر دلائل پر حکومت کو چلانے کے لیے شخصیات میسر نہیں آتیں بلکہ اس کی جگہ مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے لوگ ان جماعتوں کے سُرخیل بن گئے ہیں۔ ۱۱/۹ کے بعد جہاں انٹرنیٹ اور دیگر مواصلاتی ذرائع نے بے پناہ ترقی کی ہے وہیں بہت سے ٹی وی اسٹشنوں کے قیام میں لوگوں کی سیاسی اور سماجی فہم وفراست کو بڑھانے میں بہت زیادہ مدد کی ہے اور نتیجتاً پاکستانی سیاسی جماعتوں سمیت عوام بھی اپنے آپ تبدیلی کی اس لہر کا حصہ سمجھنے لگے۔

د۔ عورت کے مسائل

انسانی زندگی اور معاشرے کی حیات کا مکمل دارومدار عورت اور مرد پر ہے۔ یہ دونوں اکائیاں نہ صرف معاشرے کی تکمیل کرتی ہیں بلکہ انسانی آبادی کو قائم رکھنے اور معاشرے کو دوام دینے میں اس کی اہمیت اساسی ہے۔ دنیا کی ہر قسم کی شاعری میں عورت اور مرد دونوں کا بیان ملتا ہے۔ قدیم برصغیر میں آریاؤں کے وارد ہونے سے لیکر آج تک جتنی بھی شاعری ہوئی ہے اُس میں عورت اور مرد دونوں ہی اپنے جذبات کا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ غزل کے لغوی مفہوم یعنی گفتگو "بازنان گردن" یا گفتگو "دربارِ زنان گردن" سے لیکر گیت کے مفہوم تک ہر دو اصناف میں انسانی جذبات کی کارفرمائی دونوں جانب سے نظر آتی ہے۔ اول الذکر یعنی غزل میں جذبات کا اظہار مرد کی جانب سے ہے اور گیت میں یہی مراحلہ عورت کی جانب سے طے ہوتا ہے۔

جنگ آزادی کے بعد اُردو غزل اپنے ارتقائی مراحل طے کر چکی تھی اور ایک نئے معنوی دور میں داخل ہوئی اُردو غزل برصغیر پاک وہند میں موجود تمام اہم زبانوں سے اثرات قبول کر چکی تھی اور ضرورت اس بات کی تھی کہ اس کی زندگی کو دوام بخشنے اور موضوعات کی یکسانیت سے بچنے کے لیے اسے کسی تیسرے ادبی وسیلے سے منسلک کر دیا جائے۔ یورپی نوآبادکاروں بالخصوص انگریزوں نے اُردو کے اندر موجود اس بے پناہ صلاحیت کا مکمل ادراک کیا اور انگریزی ادب کے پہلے پہل انجمن پنجاب اور انجمن حمایت اسلام نے اُردو میں نظم کی طرح ڈالی۔

سرسید کی تحریک کے ذریعے مغربی تعلیم کو جو فروغ حاصل ہوا اُس کے ذریعے برصغیر کے باسیوں کے ذہن بتدریج کھلتے چلے گئے عقل پر مبنی تحریکوں اور سوچ کے نئے زاویوں نے قدیم ہندوستان میں موجود حقوقِ نسواں پر سخت گرفت کی اور مردوں اور عورتوں دونوں ہی نے حقوق نسواں کے اصول اور سماج میں اُن کی بہتر جگہ کے لیے کوششیں شروع کر دی۔ بیسویں صدی کے دوسرے دور میں پاکستان اور ہندوستان کے وجود میں آنے کے بعد ہجرت کا ایک خوفناک اور عظیم مرحلہ ظلم کی داستانیں رقم کرتے ہوئے طے ہوا۔ ہر دو جانب سے عورتوں کے استحصال کا تناسب مردوں کی نسبت کہیں زیادہ تھا قیام پاکستان کے بعد اُردو نظم کے مقابلے میں اُردو غزل کو جو فروغ حاصل ہوا اُس میں عورتوں کے مسائل کا بیان ماضی کی نسبت زیادہ نظر آتا ہے۔ بیسویں صدی میں اُردو غزل نے رومانوی موضوعات کے ساتھ ساتھ دیگر مسائل سے بھی اپنے آپ کو آشنا کرنا ضروری سمجھا ان میں سیاست حقوق نسواں، ہجرت کے مسائل اور معاشرتی زندگی کے دیگر پہلو زیادہ اہم تھے۔ ساٹھ کی دہائی پاکستان میں تیز رفتار صنعتی ترقی کی دہائی تھی۔ اس دہائی میں جاگیر دارانہ نظام کے بالمقابل صنعتی ترقی کا ایک اور نظام تیزی سے ترقی پانے لگا تھا عین ممکن تھا کہ ستر اور اسی کی دہائی میں صنعتی ترقی کا یہ سفر جاری رہتا تو جاگیر دارانہ نظام مکمل طور پر ختم ہو جاتا لیکن سقوطِ ڈھاکہ کے بعد موجودہ پاکستان میں پیپلز پارٹی کی نئی بننے والی حکومت نے نیشنلزیشن کی پالیسی کے تحت صنعتوں اور کاروباری اداروں کو قومیانہ شروع کر دیا اس غلط پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ صنعتی ترقی کی رفتار کو زبردست نقصان پہنچا۔ بھٹو کے مختصر دورِ حکومت کے بعد دوسرے مارشل لاء کے نفاذ کے ساتھ ہی ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کی باتیں ہونے لگیں۔ قیام پاکستان سے لیکر اسی کی دہائی تک ملکی معاشرت میں جو زبردست تبدیلی آئی اُس نے نسوانی مسائل کو مزید پیچیدہ اور گھمبیر بنا دیا۔ صنعتی ترقی کے دور میں مردوں اور عورتوں کو پیداواری عمل میں اضافے کے لیے مشین بنانے کی پالیسی اختیار کی گئی تو دوسری جانب اسلام کے نظام کے جعلی نفاذ کی کوششوں نے مردانہ برتری اور سفاکیت کو مزید ہوا دی۔

سلطانہ مہر اپنے ایک مقالے میں تحریر کرتی ہیں۔

> اُس نے اپنے گردو پیش اور اپنے معاشرے کے مسائل کا مشاہدہ کیا ہے وہ کل کی متوسط طبقے کی عورت کو بھی درپیش تھے اور آج بھی وہ اُن کا شکار ہیں گو ہم کہتے ہیں کہ تعلیم نے عورت کو بڑے حقوق دیئے ہیں وہ حقوق جو اُسے پہلے میسر نہیں تھے لیکن تعلیم ہے کہاں؟ اس سوال کی روشنی میں پاکستان کی دیہی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں بلاشبہ مایوسی ہی ہو گی۔ چنانچہ عورت تعلیم یافتہ نہ ہونے کی وجہ سے اسی گھٹے ہوئے ماحول کا شکار ہے، جہاں مردوں کی اجارہ داری اس روپ میں ہے کہ عورت کسان کے بیل سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ ے

عورت پاکستانی معاشرے میں بالخصوص بنگلہ دیش کی علیحدگی کے بعد وطن عزیز کی ناگفتہ بہ معاشی اور معاشرتی زوال کے نتیجے میں بے اندازہ متاثر ہوئی یہ بات عام فہم ہے کہ معاشی بدحالی یا خوشحالی۔ ہر دو صورتوں میں انسانی معاشرے پر دیرپا اثرات مرتب ہوتے ہیں اور رویوں کو ترتیب دینے اور بنانے میں اس کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ اسی سبب جب پاکستان میں معاشی زوال پذیری کا آغاز ہوا تو اس کے ساتھ ہی اخلاقیات، دفاتر میں رشوت ستانی، حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر زندگی کی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی سوچ نے معاشرے کے بنیادی رکن یعنی مرد کی سوچ میں ایک انقلاب برپا کیا۔ اور مالی تنگدستی نے مردوں کے ہاتھوں نا صرف اُن کا جسمانی استحصال کیا بلکہ اُنھیں ذہنی لحاظ سے بھی تکلیف دینے کی کوشش کی۔ ذہنی اذیت کے اس دور میں بہت ساری ناموار شاعرات بشمول زیب النساء زیبیؔ نے اپنی پیش بینی کے سبب نہ صرف شاعری کے موضوعات کو تبدیل کیا بلکہ اُن میں ہیت کے اعتبار سے بھی تبدیلی لانے کی کامیاب کوشش کی۔

زیب النساء زیبیؔ خاتون خانہ ہونے کے سبب نہ صرف گھریلو جھگڑوں میں پائے جانے والی باریکیوں سے واقف ہیں بلکہ ایک تعلیم یافتہ اور دروں بین خاتون ہونے کی وجہ سے اس سبب سے بھی واقفیت رکھتی ہیں۔ جو ان تنازعات کو پیدا کرتا ہے۔

لوگ ایسا بھی بے چہرہ دیکھے گئے
گھنگرو ہیں پاؤں میں اور پائل نہیں

(کلیات "کاردوام"، دل میں ہیں آپ، ص، ۱۰۵)

ایک تو ہی نہیں ہر شخص ہے چاہت کا اسیر
ہم نے چاہت ہی کا ، گلدستہ سجا رکھا ہے

(کلیات ''کاردوام''،دل میں ہیں آپ، ص، ۱۰۷)

موجودہ صورتحال امن وامان کے حوالے سے بے حد تشویش ناک ہے جس میں شہروں میں قتل وغارت گری عام ہوگئی ہے اور مجرم انتہائی معمولی فائدے کے لیے کسی کی جان لینے سے گریز نہیں کرتے۔

کس نے ہوس رانی کی ہے، کس نے اسے پھر مار دیا
لاش پڑی فٹ پاتھ پہ ہے دیکھو اک مستانی کی

(کلیات ''کاردوام''،میرے دھیان میں، ص،۸۲۵)

ایک سرکاری ملازم ہونے کے ناطے اُنھیں مرد خاکموں کی ذہنی بالادستی اور معتکبرانہ انداز کا سامنا رہا ہے وہ عیاش مردوں کی مشغولیات سے بھی باخوبی واقف ہیں۔ لہذا ان متنوع تجربات نے اُن کی ذہنی صلاحیت اور فکر وفہم کو مزید پختہ بنایا ہے۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کے علاوہ پاکستان میں بھی جسم فروشی سے لیکر سخت ترین جسمانی مشقت والے کام ایک عورت ہی انجام دے رہی ہے مردوں کے بنائے ہوئے قانون کی وجہ سے بے شمار عورتیں جسمانی اور ذہنی مسائل وآلام کا شکار ہیں۔ اُن کی شاعری میں یہ موضوعات بہت خوبی سے بیان ہوئے ہیں۔ عورتوں کے مسائل پر لکھنے والے مرد ادیبوں اور شاعروں کی نسبت اُن کی آواز اس لیے منفرد اور توانا ہے کہ وہ ان تجربات سے خود گزری ہیں۔ لہٰذا فکری طور پر ایک عورت کے ذہنی مسائل اور مردوں کے بنائے ہوئے معاشرے میں اپنے مقام کا اندازہ زیب النساء زیبی جیسی ایک حساس شاعرہ ہی کر سکتی ہیں۔

سندھ کا صوبہ جاگیر دارنہ نظام کے بے حد مضبوط ہونے کی وجہ سے پاکستان کے دیگر صوبوں کی نسبت زیادہ ظلم وستم کا شکار ہے۔ اور خواتین کمزور صنف ہونے کی وجہ سے ظلم وستم کا زیادہ شکار رہی ہیں۔ کاروکاری اور دیگر غلط رسوم سندھ کے معاشرے میں رچ بس گئے ہیں۔ جس کی بنادی وجہ طاقتور جاگیرداروں کی وجہ سے کمزور قانون کا ہونا ہے۔

زیب النساء زیبی سندھ کے بیشتر علاقوں میں بسلسلہ ملازمت کام کرتی رہی ہیں لہذا خواتین پر ہونے والے ظلم وتعدی کی داستانیں اُن کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہی اور ایک حساس شاعرہ نے اپنے جذبات و احساسات کا اظہار بے ساختگی، برجستگی اور کامل دانائی سے کیا ہے۔

مہ ناز رحمٰن اپنے مقالے ''حقیقت پسند افسانہ نگار'' میں زیب النساء زیبی کی شاعری اور افسانوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں۔

زیب النساء زیبی کے افسانے اور شاعری اس عہد کی عورت کے بارے میں ہیں وہ
عورت جو دوہرے جبر کا شکار ہے اور آگہی اور شعور کا عذاب جھیل رہی ہے۔ ۸

برصغیر کی عورت ہندوانہ رسوم ورواج کے سبب صدیوں سے ظلم وستم کا نشانہ بنتی رہی ہیں سندھ کی عورت جاگیر دارانہ نظام کے جبر تلے نا صرف جسمانی استحصال کا شکار ہے بلکہ ناخواندگی کم فہمی اور اپنے حقوق سے بے خبری کے سبب ذہنی اذیت اور جذباتی ٹوٹ پھوٹ کا بھی شکار نظر آتی ہے۔ رکشوں، گدھا گاڑیوں، کھیتوں کارخانوں اور دیگر کام کرنے والے مراکز میں تمام پاکستان بالخصوص سندھ اور بلوچستان کی کام کرنے والی خواتین کی حالت زار کا اندازہ اُن کے بے رونق اور شکن بھرے چہروں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

زیب النساء زیبی بسلسلہ صحافت اور ملازمت سندھ کے طول وعرض بالخصوص کراچی اور حیدرآباد میں جاتی رہی ہیں اور جو اُن کے تجربات کا حصہ رہے ہیں یوں حساس طبع ہونے کی وجہ سے اُن کے لفظوں کی کاٹ آنکھوں کو آنسوؤں سے بھر دیتی ہے۔ کہیں کہیں خواتین پر ہونے والے مظالم اُس کی بے چین طبعیت کا مظہر دکھائی دیتے ہیں۔ اپنی بلند فکری، جذبوں کو الفاظ کی صورت دینے کے فن میں مہارت کی وجہ سے اُن کے شعر زبان زدِ عام ہو جاتے ہیں۔

تخریب کے ہاتھوں نے مٹا دی میری ہستی
اب غربت وافلاس کی تعمیر بنی ہوں

(کلیات ''کاردوام''، تم میرے ہو، ص، ۲۸۰)

تدبیر مری ساتھ میرا چھوڑ چکی ہے
جو بن کے بگڑ جائے وہ ، تقدیر بنی ہوں

(کلیات ''کاردوام''، تم میرے ہو، ص، ۲۸۰)

یہ بات سچ ہے کہ تعلیم یافتہ خواتین گھریلو معاملات میں بھی برابری کی بنیاد پر حصہ دار بننا چاہتی ہیں۔ لیکن صدیوں سے مردوں پر انحصار کرنے والا معاشرہ اتنی جلدی اپنی خو بدلنے کو تیار نہیں۔ لہذا پاکستان کی خواتین تعلیم یافتہ ہوں یا غیر تعلیم یافتہ ہر دو صورت میں مردوں کے استحصال کا شکار ہیں۔ انٹرنیٹ، ٹیلی ویژن اور دیگر مواصلاتی ذرائع نے خواتین کو جہاں بااختیار بنایا ہے وہاں اشتہار بازی کی بدولت عورت مرد کے لیے

کمانے کا ذریعہ بن گئی ہے۔ حقوق کے حصول کی جنگ میں صنعتی معاشرے کی وجہ سے ظالم مردانہ معاشرے میں اپنی ذمہ داریاں بھی خواتین کے نازک کندھوں پر منتقل کر دی ہیں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ صنعت وزراعت میں ترقی کے سبب مرد وزن کے مسائل میں کمی آتی لیکن افسوس اخلاقی تعلیم کی عدم دستیابی کی وجہ سے برصغیر کا معاشرہ تیزی کے ساتھ مشینی اور غیر جذباتی معاشرے میں تبدیل ہوتا جارہا ہے اور یوں حقوق نسواں بری طرح پامال ہورہے ہیں۔

اپنے ایک انٹرویو میں وہ عورتوں کے مسائل پر قلم اُٹھانے سے متعلق کہتی ہیں۔

> عورتوں کے جذبات واحساسات کو لفظوں میں ڈھالنا ایک مشکل فن ہے لیکن میں اس مشکل کو آسان بنانے کی سعی میں مشغول رہتی ہوں۔ سماجی تقاضے روحانی کرب و اضطراب، جذباتی کیفیات تمام جذبے مل کر ایک فنکار کی تخلیق کرتے ہیں اور یہ ایک فنکار و مصنفہ، ادیب، شاعر، افسانہ نگار کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ ذروں کو ستاروں کو چمکتا دمکتا دیکھے اسے سماجی ارتقاء کا خواب دیکھے جس میں مادیت نہ ہو انسان ترقی کرے۔ حیوانی جذبے نفسانی خواہشات دم توڑ دیں مفاد پرستی اور خود غرضی فنا ہو جائے۔ طبقاتی فرق مٹ جائے ذلت اور عزت دینے کا اختیار انسانوں کے ہاتھ سے نکل کر خدائے بزرگ و برتر کے پاس آجائے۔ انسان اجتماعی محبت اور شرافت کی بلندیوں پر نظر آئے۔۹

صنف نازک کی سب سے اہم خصوصیت جذباتی انداز اور دلی خواہشات کو پورا کرنے یا دل میں جگہ دینے کی بات ہے مردوں کا مطمع نظر اس سے قطاً مختلف ہے زیب النساء زیبیؔ نے اپنے پورے شعری کرئیر میں عورت کے جذبات احساسات گھریلو ذمہ داریوں، غمی، خوشی اور دیگر لوازمات کو پوری ایمانداری اور جذباتی احساس کے ساتھ بیان کیا ہے جیسے کہ مندرجہ ذیل اشعار اُن کی خانگی اور رومانی رویوں کی عکاسی کرتے ہیں

لب کو جو لعل کہہ دیا ہو گئے کیوں خفا خفا
آپ برا نہ مانیے آپ کے لب شکر سہی

(کلیات "کاردوام"، تیری یاد آتی ہے، ص،۲۲۱)

دلہن کے پہلو میں روئی غریب کی بیٹی
یہ ایک حادثۂ دل ہے ان براتوں میں

(کلیات ''کاردوام''، تیری یاد آتی ہے، ص، ۲۶۴)

دکھ اور تکالیف انسانی زندگی سے وابستہ ہیں اور وقت بوقتِ انسانی آزمائش کے لیے آن موجود ہوتی ہیں۔ اس لیے انسان کو بعض اوقات ایسے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے جب نہ چاہتے ہوئے بھی مسکراہٹ آنکھوں میں بھرنی پڑتی ہے اور خوشی کے لمحے دکھ اور تکلیف کے درمیان سے چرانے پڑتے ہیں۔

ہماری زیست میں لمحے کچھ ایسے آئے ہیں
کہ اشک آنکھ میں بھر کر بھی مسکرائے ہیں

(کلیات ''کاردوام''، تم میرے ہو، ص، ۳۰۸)

مغموم دل تھا اورلبوں پر ہنسی رہی
عالم یہ بزمِ ناز کا عالم بھی کم نہیں

(کلیات ''کاردوام''، تم میرے ہو، ص، ۳۰۹)

یہ اشعار پہلو بہ پہلو عورت کے مختلف ذہنی مسائل کی نشاندہی کرتے ہیں پہلا شعر خواتین کے خالص اُن جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔ جس میں ایک بیوی اپنے مجازی خدا سے تحسین کی طلب گار ہوتی ہے جبکہ دوسرا شعر حسب روایت غربت اور ناداری کے ہاتھوں محروم طبقے کی دلی آرزوؤں کے اشرافیہ کے ہاتھوں ختم ہونے کی داستان بیان کرتا ہے آخری دونوں اشعار ایک عورت کی دلی جذبات چھپانے اور کرب واذیت کی کیفیت سے گزر کی ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرنے کا قصہ دل گداز بیان کرتا ہے۔

زیب النساء زیبی ایک حقیقت پسند شاعرہ ہیں لیکن اُن کی کسی سیاسی یا سماجی تنظیم کے ساتھ ذہنی یا سیاسی وابستگی نہیں لہٰذا اُن کی شاعری میں متنوع رنگ نظر آتے ہیں۔ سندھ بالخصوص کراچی جس میں پورے پاکستان بلکہ برصغیر پاک و ہند کے بیشتر ممالک کے نمائندے اپنی الگ روایات اور ثقافت کے ساتھ موجود ہیں۔ زیب النساء زیبی آن کے لسانی اور ثقافتی پس منظر کو سمجھتے ہوئے اُن کے مسائل کو اپنے شعروں کی زینت بناتی ہے ایک حساس دل شاعرہ ہونے کی وجہ سے وہ ایک عورت کی ذہن و دل کی کیفیات کو نہ صرف سمجھتی ہیں بلکہ اُنھیں باخوبی بیان کرنے کا سلیقہ بھی رکھتی ہیں۔ جذباتی مسائل پر بات کرتے ہوئے اُن کی شاعری دھیمی دھیمی آنچ یا ہلکی سی چبھن کا احساس اُجاگر کرتی ہے۔ کسی سیاسی یا معاشی مکتبہ فکر سے وابستہ نہ ہونے کی وجہ سے اُن کے شعروں میں اعلانیہ یا پروپگنڈا کی کیفیت عنقا ہے۔ لیکن احساس اور جذبے کی گہری کیفیت نے اُن کی شاعری کو چار چاند لگا دیئے اور اسی سبب وہ امروزہ شاعروں میں ایک نہایت قدآور حیثیت کی حامل ہے۔

نقاش کاظمی اپنے ایک مقالے میں تحریر کرتے ہیں۔

> وہ انسانی مجبوریوں، محرویوں پریشانیوں اور انسانی دکھوں کے احساس کو زبان دینے کے ہنر سے پوری طرح واقف ہیں وہ اپنی تحریروں کو ایک خاص مقصد کے لیے استعمال کرتی ہیں اور وہ مقصد انسانیت کی سر بلندی اور انسانی فطرت کی منتقمانہ فطرت اور کمزوریوں کو سامنے لا کر ان میں انسانی عظمت کو اُجاگر کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ وہ انسانی معاشرے کی اصلاح کے لیے اپنے قلم کو استعمال میں لاتی ہیں اور وہ اس قلم کی طاقت سے ہی اس سماج کی ایک ایسی تصویر دیکھنا چاہتی ہے جس پر عالم انسانی کو فخر حاصل ہو۔ ۱۰

ہر شاعر حساس انسان کی مانند اپنے ارد گرد کے ماحول سے زیادہ متاثر ہوتا ہے اور اسی کے مطابق اپنے خیالات تجربات اور احساسات کی بُنت کرتا ہے۔ زیب النساء زیبیؔ کے خیالات کا تنوع اُنھیں ہر سو دیکھنے کا حوصلہ بخشتا ہے اُن کے سرکاری ملازمت کرنے سے لیکر دیگر امورِ خانہ داری، اُن کے تجربات اور خیالات میں تنوع پیدا کرتے ہیں۔ اور جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ کسی سیاسی و سماجی مکتبہ فکر سے کلی طور پر وابستہ نہ ہونے کے سبب اُن کے شعری کلام کی حیثیت بڑھ گئی ہے۔ جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انھوں نے ہر پہلو اور موضوع کو انصاف کے تقاضوں کے مطابق برتنے کی کوشش کی ہے۔ اُن کی شاعری گل و بلبل اور زلف ور خسار سے آگے بڑھ کر انسانی مسائل و مصائب کا احاطہ کرتی ہے۔ ایک عورت ہونے کے ناطے اُن کی شاعری حقوقِ نسواں عورتوں کے جذباتی و خانگی مسائل اور دیگر اُن تمام پہلوؤں کا بخوبی احاطہ کرتی ہے۔ جو عام زندگی میں معمولی اور کم اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ جدید مشینی طرزِ زندگی اور کراچی جیسے مصروف شہر میں رہائش اور ملازمت ہونے کے باوجود اُن کی شاعری میں جذبوں کی لپک نظر آتی ہے۔ جذبوں کی اس لپک اور احساس میں ڈوبے ہوئے قلم کی وجہ سے اُن کی شاعری عورتوں کے مسائل ایک نئے زاویے سے اُجاگر کرنے میں مدد کرتی ہے۔ یہ کہنا درست ہوگا کہ زیب النساء زیبیؔ کی شاعری شہری اور دیہاتی دونوں طرح کی عورتوں کے احساسات اور جذبات کی ترجمان رہے۔ اور یوں وہ عورتوں کے مسائل کی وجہ جاننے اور ترجمانی کرنے کے سبب پاکستان میں عورتوں کے حقوق کا نعرہ مستانہ بلند کرنے والی گنی چنی خواتین اور ادیبوں میں سے ایک رہی ہیں۔ زیب النساء زیبیؔ کے کلام کا ایک بڑا پہلو اور نمایاں احساس عورتوں کے مسائل کی ترجمانی ہے۔

بیسویں صدی کا آغاز جہاں اُردو شعر و ادب کی ترقی کا دور رہا وہیں برصغیر میں صنعتکاری، ذرائع مواصلات کی آمد ریلوے وغیرہ نے یہاں کے معاشروں میں بے پناہ تبدیلیاں پیدا کیں۔ انگریزی تعلیم نے لوگوں کے سوچنے کے زاویوں کو تبدیل کر دیا۔ اور لوگ پہلے کی طرح نہ رہے۔ اس کے سبب ترقیوں اور آسائیوں کے باوجود معاشرہ جذباتی خلا کا شکار رہا ہے۔ کیونکہ ریاست نے بطور ایک محافظ کے اپنا کردار ادا کرنا ختم کر دیا ہے۔ ٹیلی فون، انٹرنیٹ، ہوائی جہاز یا بلند و بالا عمارتوں اور چک و چوند سے مزین شہر انسانی تنہائی اور جذباتی ٹوٹ پھوٹ کا مداوا کرنے سے قاصر ہیں۔ عورتوں کے مسائل ہوں، دہشت گردی، بھوک ہو، غربت ہو یا پھر معاشرے میں نشو و نما پاتا کوئی اور ناسور۔

پاکستان کی حکومت بطور ریاست اپنی ذمہ داری پوری کرنے سے قاصر رہی ہے۔ جس کی وجہ سے آبادی میں اضافہ، پانی کی کمی، خوراک و رہائش کی عدم دستیابی، روزگار کا نہ ہونا جیسے نئے اور پیچیدہ مسائل ہمارے معاشرے کے لیے ناسور بنتے جا رہے ہیں۔

مجموعی طور پر اس باب کا جائزہ لیتے ہوئے تاریخ کے اس باب کی جانب توجہ پڑتی ہے کہ برصغیر کی تقسیم ایک معمولی واقعہ نہ تھا۔ یہ ہزاروں برس سے ایک دوسرے کے ہمراہ مقیم افراد کا خونی اور لسانی رشتوں کو بالائے طاق رکھ کر مذہبی رشتوں کی بناء پر ایک ساتھ رہنے کا انوکھا فیصلہ تھا۔ تقسیم برصغیر کے نتیجے میں ہجرت کا وہ عظیم منظر سامنے آیا کہ تاریخ عالم آج تک اُس کی مثال دینے سے قاصر ہے۔ یوں بھی برصغیر دنیا کے گنجان ترین خطوں میں سے ایک ہے۔ بغیر سہولت اور پہچان کے صرف مذہب کو مد نظر رکھتے ہوئے اتنی بڑی ہجرت کے نتیجے میں معاشروں میں بدلتے رجحانات کا جائزہ لینا ہی بہت مشکل امر ہے۔ اس ہجرت کے اثرات پاکستانی معاشرے پر آج تک نظر آتے ہیں۔ پاکستان ابتداء ہی سے سیاسی و معاشی میدانوں میں جنگ کی سی کیفیت سے دوچار رہا ہے۔ آزادی کے نو برس بعد ۱۹۵۶ء میں پہلا آئین بنا۔ جو ۱۹۵۸ء جنرل ایوب خان کے مارشل لاء کے نتیجے میں منسوخ ہو گیا۔ ۱۹۵۹ء کا آئین صدارتی طرز کا تھا۔ جو سقوط ڈھاکہ تک رہا۔ ۱۹۷۳ء میں ملک کا نیا آئین بنا۔ جو آج تک کسی نہ کسی صورت میں قائم ہے۔ پاکستانی معاشرت میں تبدیلیاں وقتاً فوقتاً نمودار ہوتی رہیں۔ ۱۹۷۰ء اور ۱۹۸۰ء کی دہائی وہ دہائی ہے جس میں زیب النساء زیبی کا ادبی کریئر شروع ہوا۔ زیب النساء زیبی کا دور مادیت پرستی کے دخول، دہشت گردی اور بھوک و غربت کا دور ہے۔ جس نے زندگی کے ہر شعبے کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ پاکستان بہتر سیاسی حالات پیدا کر کے ان اسباب کو ختم کرنے کی کوشش کر سکتا تھا۔ مگر عدم برداشت اور نفرت کی وجہ سے ایسا ہونا ممکن نہ رہا۔ ۲۰۰۱ء سے نئی صدی میں ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے

دنیا کے سیاسی منظر نامے کو تلپھٹ کر کے رکھ دیا۔ امریکہ کے اتحادیوں کے ساتھ مل کر افغانستان پر حملہ ایک ایسا عمل تھا جس نے پاکستان کے ساتھ ساتھ دنیا کی تمام معیشتوں کی سمت بدل دی۔ پرانے نظریات ہوا ہو گئے۔ صرف اتنا کافی رہا کہ کوئی ملک امریکہ کا مخالف ہے یا دوست باقی تمام رشتے ختم ہو گئے۔

انسانی معاشرہ ہمیشہ سے اس بات کا متلاشی رہا ہے کہ کس طرح عام انسانوں کے حالات اور تلخی اوقات کو بہتر بنایا جاسکے یہ بات مسلم ہے کہ غربت ناداری اور بھوک انسانی معاشرے کے نرم چہرے کو تبدیل کر کے مکروہ اور خون آشام بنا دیتی ہے۔ ایسی صورت میں دوسرے انسانوں کا خیال اور کمزروں کی حق کی ادائیگی ناممکن ہو جاتی ہے اور انسانی معاشرہ ایک ایسے جنگل میں بدل جاتا ہے۔ جس میں ہر طاقت ور کمزور کو ہڑپ کرنے میں لگا ہوتا ہے۔ اسلام سے قبل بھی اور اسلام کے نزول کے بعد بھی دنیا میں کئی نظام ہائے حکومت اس بات کی کوشش میں مصروف رہے کہ کسی طرح انسانوں کے درمیان معاشی فرق کو کم کر کے اُن کے درمیان آویزش کو ممکنہ حد تک ختم کر دیا جائے۔ اسلام نے اس کا سب سے بہتر حل یہ دیا کہ ثروت مند طبقے پر زکوٰۃ و عشر کی صورت میں ایک ایسا ٹیکس نافذ کیا جائے جس سے غریبوں کی مدد کی جائے ۱۹۱۷ء میں آنے والا انقلاب جس نے دنیا کے بہت سے ممالک کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ معاشی بنیاد پر آنے والے انقلابات کی سب سے بڑی مثال ہے۔ برصغیر کی تقسیم کے وقت جاگیر دار اور سرمایہ دار طبقات سیاست اور معیشت پر قابض تھے۔ پاکستان میں گزشتہ ۷۰ برسوں کے دوران بہت کم سیاسی استحکام رہا ہے۔ اس وجہ سے پاکستان کے عمومی آبادی کی حالت زار میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں لائی جاسکی۔ بھوک، غربت اور مزدور زیب النساء زیبی کی شاعری میں اہم موضوعات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن زیب النساء زیبی کا لہجہ اور آہنگ یاسیت اور مایوسی کا علم بردار نہیں ہے بلکہ اس سے اُمید اور رجائیت کی مشقیں روشن ہوتی ہیں۔ ایک حساس شاعرہ ہونے کے ناطے معاشی ناہمواری اور غربت کا عمل اُن کے لیے کرب کا باعث ہے۔ اس صورت میں اس کی آواز صدا بہ صحرا رہنے کی بجائے ایک جرس کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔

انگریزوں کی آمد سے قبل ہندوستان میں مذہبی تفرقہ بندی اور نسلی و گروہی سیاست کا عنصر بہت کم تھا تاہم انگریز نے اپنی حکومت کو طوالت دینے کے لیے گروہی و نسلی سیاست اور فرقہ پرستی کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ مقامی لوگوں کی زبان سیکھ کر انہیں اپنے راستے سے بھٹکانے کی کوشش کی جائے۔ فورٹ ولیم کالج اس حکمت عملی کا ایک واضح مگر چھوٹا نمونہ تھا، اکیسویں صدی کے آغاز دنیا بالخصوص مسلمانوں کے لیے خوشی کا پیامبر ثابت نہ ہوا بلکہ اس کے آغاز میں ہی ایک ایسا واقعہ پیش آگیا جس نے

ماضی کے تمام امور اور واقعات کا رخ تبدیل کر دیا۔ ۱۱/۹ کے حادثے میں مسلمانوں کا ہاتھ ہو نہ ہو یہ حادثہ بذور بازوئے طاقت مسلمانوں کو ملوث کر دیا گیا۔ جس نے پاکستان کی خارجہ پالیسی میں ایک تغیر و طلاظم کی صورتحال پیدا کر دی۔ افغان مہاجرین کی پاکستان آمد کے علاوہ حرص و ہوس کے نئے زاویے عوام پر آشکار ہوئے اور سفاکی کی حد تک ایک دوسرے کو زندگی سے محروم کر کے مالی مفادات کا حصول ممکن بنانے کی پوری کوشش کی گی۔ حساس شاعر ہمیشہ ہی اپنے گرد و پیش اور زمانے سے نہ صرف زیادہ وابستہ ہوتا ہے بلکہ اس کی گہری نظریں بظاہر پر سکون معاشرے میں پلتی ہوئی اضطراب کی لہروں کو محسوس کر لیتی ہے۔ زیب النساء زیبی کا رنگِ غزل واعظانہ نہیں بلکہ مسائل کو سمجھ کر لوگوں کے سامنے رکھنے پر منحصر ہے۔

انسانی زندگی اور معاشرے کی حیات کا دراومدار مکمل طور پر مرد و زن سے ہے، معاشرے کی یہ دونوں اکائیاں نہ صرف اس کی تکمیل میں مدد دیتی ہیں بلکہ انسانی آبادی کو قائم رکھنے اور اس معاشرے کو دوام دینے میں بھی اس کی اہمیت اساسی ہے۔ قدیم برصغیر کی شاعری سے لے کر آج تک جتنی بھی شاعری منظرِ عام پر آئی ہے اس میں مرد اور عورت دونوں ہی اپنے جذبات کا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جنگ آزادی کے بعد اُردو غزل اپنے ارتقائی مراحل طے کر کے ایک نئے معنوی دور میں داخل ہوئی۔ اس سے قبل غزل برصغیر پاک و ہند میں موجود تمام اہم زبانوں کے اثرات قبول کر چکی تھی اور ضرورت اس امر کی تھی کہ غزل کو دوام بخشنے کے لیے کسی تیسرے ادبی وسیلے سے منسلک کر دیا جائے۔ یورپی نوآبادکاروں نے اُردو کے اندر موجود اس بے پناہ صلاحیت کا مکمل ادراک کیا۔ اور یوں انگریزی ادب کے پہلے پہل دور میں انجمن پنجاب اور انجمن حمایت اسلام نے اُردو میں نظم کی روایت متعارف کروائی۔ سرسید تحریک کے ذریعے مغربی تعلیم کو جو فروغ حاصل ہوا اس سے برصغیر کے باسیوں کے ذہن بتدریج بیدار ہوتے چلے گئے۔ عقل پر مبنی تحریکوں نے قدیم ہندوستان میں روا رکھے جانے والی ظلم و جبر کی اس داستان پر سختی سے روک لگائی جو عورتوں سے بھرتی جا رہی تھی۔ بیسویں صدی کے دوسرے نصف سے قبل ہندوستان کی تقسیم مکمل ہوئی اور ہجرت کا وہ مرحلہ طے ہوا جس میں دونوں اطراف کے مرد و زن خون کی ندیاں طے کر کے اپنے نئے گھروں میں داخل ہوئے اس لیے عورتوں کے مسائل تقسیم کے بند کی اُردو شاعری میں زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ ۱۹۶۰ء کی دھائی تک پاکستان نے صنعتی ترقی کی۔ اس صنعتی ترقی نے عورت کو نسوانی نزاکت سے محروم کر کے پیداواری کی ایک مشین میں تبدیل کر دیا۔ زیب النساء زیبی بسلسلہ ملازمت سندھ کے دیہی و نیم شہری علاقوں میں کام کرتی رہی ہیں لہذا خواتین پر ہونے والے ظلم و تعدی کی داستانیں ان کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہیں اور ایک حساس شاعرہ نے اپنے جذبات کا اظہار بے

ساختگی اور برجستگی کے ساتھ کیا۔ ناخواندگی اپنے حقوق سے بے خبری کے سبب پاکستان کی عورتیں بالخصوص سندھ اور بلوچستان کی خواتین کی حالت زار کا اندازہ ان کے بے رونق اور شکن بھرے چہروں سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے، حساس طبع ہونے کی وجہ سے زیب النساء زیبیؔ کے لفظوں کی کاٹ آنکھوں میں نمی بھر دیتی ہے کہیں کہیں خواتین پر ہونے والے مظالم اس کی بے چین طبیعت کا مظہر دکھائی دیتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ رشید امجد، ڈاکٹر، ''پاکستانی ادب: ''رویے اور رجحانات''، پورب اکادمی اسلام آباد، طبع اول، جنوری ۲۰۱۰، ص۹

۲۔ خلیل الرحمن اعظمی، ''جدید تر غزل ''مشمولہ ''فنون'' لاہور، جلد۸، شمارہ۳، ۴، ۱۹۶۹ء ص ۶۴، ۶۵

۳۔ شمیم حنفی، ''خیال کی مسافت'' فضلی سنز لمٹیڈ، کراچی، ۲۰۰۷، ص۸

۴۔ وسعت و گہرائی کی شاعرہ، علی حسین جمالی، مشمولہ، کتابی سلسلہ، شمارہ نمبر ۱۶، مئی ۲۰۰۷، کراچی، ص۵۶، ۵۷

۵۔ محمد عالم خان، ''چند نئے ادبی مسائل'' پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساونڈ، لاہور، ۱۹۹۱، ص۱۵۷

۶۔ ابرار احمد، ''خطبہ صدارت حلقہ اربابِ ذوق لاہور، مشمولہ ''تسطیر'' لاہور، جلد ۱۴، شمارہ ۳۰، جولائی تا ستمبر ۲۰۱۰ء، ص۳۵۹

۷۔ زیب النساء زیبی ؔ فن کی راہِ خار زار پر، سلطانہ مہر، مشمولہ، کتابی سلسلہ، شمارہ نمبر ۱۶، مئی ۲۰۰۷ کراچی، ص۳۹

۸۔ حقیقت پسند افسانہ نگار، مہ ناز رحمن، مشمولہ، کتابی سلسلہ، شمارہ نمبر ۱۶، مئی ۲۰۰۷ کراچی، ص۲۸

۹۔ محسن اعظم ملیح آبادی، زیب النساء زیبی ؔ: شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان کراچی، اگست ۲۰۱۴، ص۵۷۹

۱۰۔ جراتمند و بیباک شاعرہ، نقاش کاظمی، مشمولہ، کتابی سلسلہ، شمارہ نمبر ۱۶، مئی ۲۰۰۷ کراچی، ص۵۲

باب چہارم

زیب النساء زیبیؔ کی غزل میں سیاسی موضوعات

الف۔ زیب النساء زیبیؔ کے عہد کا سیاسی منظر نامہ:

زیب النساء زیبیؔ کی پیدائش ۱۹۵۴ء میں سیاسی لحاظ سے سر گرم اور مردم خیز شہر کراچی میں ہوئی۔ اُس وقت کے لحاظ سے تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ زیب النساء زیبیؔ کا ذہن رسا معمولی باتوں کو پوری گہرائی سے محسوس کرنے کا حامل رہا ہے۔

۱۹۴۷ء قیام پاکستان سے لے کر موجودہ دور تک پاکستان بہت کم ہی عرصہ سیاسی اور سماجی معاشی استحکام کا حامل رہا ہے۔ ۱۹۴۷ء میں قیام کے بعد بھارت نے فوراً ہی آئین کو ترتیب دے دیا۔ ہمارا ملک 1956ء تک آئین کے بغیر رہا۔ اگرچہ قرار داد مقاصد ابتداء ہی میں پاس ہو چکی تھیں۔ لیکن اُسے آئین میں بدلنے میں ۹ سال کا عرصہ لگا۔ ۱۹۵۶ء کا آئین بامشکل دو سال برقرار رہا جب ۱۹۵۸ء میں فیلڈ مارشل جنرل ایوب خان نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ ۱۹۶۲ء میں ایک نیا آئین متعارف کیا گیا۔ جس میں صوبائی حیثیتوں کو ختم کر دیا گیا۔ اور اس کی جگہ ون یونٹ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ علاوہ ازیں اختیارات کی نچلی سطح تک تقسیم کے لیے بلدیات کا ایک جامع نظام بنایا گیا۔ ۱۹۶۲ء کا آئین گزشتہ آئین کے برعکس صدارتی طرز حکومت کا حامل تھا۔ صدر ایوب خان نے آئین کی بناوٹ کچھ اس طرح کی کہ تمام اختیارات فردِ واحد کی ذات میں مرتکز ہو گئے۔ اختیارات کا یہ ارتکاز بعد میں آنے والی دہائی میں ملکی سالمیت کے لیے سم قاتل ثابت ہوا۔ اور بنگلہ دیش یعنی سابقہ مشرقی پاکستان شورش کی زد میں آکر وطن عزیز سے الگ ہو گیا۔ ۱۹۷۰ء سے لیکر ۱۹۹۰ء تک کے ۲۰ سال پاکستانی سیاست و معیشت کے لیے نہایت صبر آزما تھے۔ اسی عرصے کے دوران پاکستان سے کئی گنا پیچھے اور ترقی پذیر ممالک صنعتی و معاشی ترقی کی دوڑ میں وطن عزیز سے بہت دور نکل گئے۔ اس کی بنیادی وجہ سے جمہوری عمل میں تسلسل نہ ہونا کہ علاوہ سیاسی اور فوجی سربراہان کی سیاسی معاملہ فہمی سے دوری تھی۔ اکثر و بیشتر سیاست دان اور فوجی حکمران پیش بینی اور نسل نو کو آگے لے جانے کی صلاحیت سے عاری تھے۔

مارشل لاء اور صدارتی و پارلیمانی جمہوریتوں کے اس ناہموار سفر میں عوام نہایت بے چین رہے ہیں اور کسی حد تک نالائق حکمرانوں کے شاقی بھی رہے ہیں۔ زیب النساء زیبیؔ نے عوام الناس کی دلی آرزوؤں کی ترجمانی ہر دور میں کی۔ ۱۹۷۰ء کے بعد آنے والے پُرآشوب دور سے لیکر آج تک اُن کے قلم نے ہمیشہ جمہوریت کی اُن

خوبیوں کو جنہیں مغرب میں اپنایا گیا اور یہاں دانستہ نظر انداز کیا گیا، سراہا ہے وہ چونکہ کئی مغربی ممالک اور امریکہ و کنیڈا کے سفر کر چکی ہیں۔ لہٰذا وہ مغربی طرز کی جمہوریت کے فوائد اور وہاں کے عوام کو دی گئی سہولیات اور اُن کے حقوق سے بخوبی آگاہ ہیں۔ از جانب دیگر وہ پاکستانی جمہوریت کے ہاتھوں عوام کی آرزوؤں کی پامالی اور حقوق کی حق تلفی سے بخوبی واقف ہیں۔ مغربی ممالک کے متعدد اسفار نے اُن کے تجربے کو وسیع کرنے کے ساتھ ساتھ اُنھیں وسیع النظر کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ کئی اشعار میں اُن کی وسعت نظری اور سیاسی سوچ بوجھ کا پتہ چلتا ہے۔ وہ کہتی ہیں۔

نام چنگیز و ہلا کو کا عبث ہے بد نام
پیدا ہر دور میں ہوتے ہیں ستانے والے

(کلیات ''کاردوام''، تیری یاد آتی ہے، ص، ۱۹۳)

کہیں کہیں بد عنوان اور بد اخلاق سیاست دانوں کی عیش پرستانہ زندگی دیکھ کر اُن کا دکھ مزید گہرا ہو جاتا ہے اور وہ اس طرح نوحہ کناں نظر آتی ہیں۔

ساری اقدار پامال ہوتی رہیں
خوش گمانی سے لیڈر بہلتا رہا

(کلیات ''کاردوام''، تیری یاد آتی ہے، ص، ۲۲۰)

جتنے منصب تھے ایواں میں بٹتے رہے
شہر کا شہر غربت میں جلتا رہا

(کلیات ''کاردوام''، تیری یاد آتی ہے، ص، ۲۲۰)

آئین اور قانون کے رکھوالے آج کے دور میں خود ہی قانون سے کھلواڑ کرنے میں مصروف ہیں جبکہ دوسری طرف وہ قانون کی پاسدای کرنے کا درس بھی دیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے زیبی کہتی ہیں۔

یہاں آئین رکھا، طاق میں ہے
کہ کارآمد یہاں، سرداریاں ہیں

(کلیات ''کاردوام''، تیری یاد آتی ہے، ص، ۲۱۰)

فرنگی ہاتھ میں، ہیں کھیلتے جو
انہی لوگوں کی سب غداریاں ہیں

(کلیات ''کاردوام''، تیری یاد آتی ہے، ص،۲۱۱)

وہ عموماً اہل سیاست اور پاکستانی سیاست پر انگشت نمائی نہیں کرنا چاہتی مگر عہد و پیمان کی خلاف ورزیاں دیکھ کر اُن کے اندر کی حساس شاعرہ بے اختیار چیخ پڑتی ہیں لیکن اُن کی چیخنے میں ایک وقار اور دبدبہ نظر آتا ہے۔ وہ کسی مخصوص مکتبہ فکر چاہے اُس کا تعلق مذہب، سماج یا سیاست سے ہو نمائندگی نہیں کرتیں۔ لہٰذا وہ اپنے قدرتی انداز میں صرف کمزوری دکھا کر اور قارئین ادب کو نیرنگی سیاست کا ایک عجب تماشا دکھا کر باخبر اور باشعور بنانے کی اپنی سی کوشش کرتی ہیں۔

ڈاکٹر بشیر سیفی اس ضمن میں تحریر کرتے ہیں۔

> ۱۹۷۰ کے بعد نمایاں ہونے والے شعراء نے فرد اور معاشرے کی مختلف سطحوں پر ہونے والی شکست وریخت کو کھلی آنکھوں سے دیکھا اور فنی پختگی سے شعر کا جامہ پہنایا نئی نسل کے شعراء کی غزلوں میں معاشرتی اور سیاسی مسائل کے ساتھ ساتھ وطن سے محبت کا جذبہ بھی ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ آج کل شاعر وارفتہ مزاج نہیں بلکہ اصلی مسائل کا ادراک رکھنے والا باشعور فنکار ہے جیسے اپنی ذمہ داریوں کا بھرپور احساس ہے۔۱

موجودہ دور میں ساٹھ کی دہائی کے بعد مقتدر حکمران اعلیٰ بالخصوص وہ حکمران جن کا تعلق مسلمان ممالک سے ہے ٹیکنالوجی اور عوامی فہم وفراست کی زیادتی کے بعد تیزی کے ساتھ زوال پذیر ہو گئے ہیں۔ عراق کے صدر صدام حسین، یمنی صدر عبداللہ صالح، لیبیائی حکمران معمر قذافی کی مثالیں اس ضمن میں دی جاسکتی ہیں۔

پاکستانی معاشرہ بھی ذرائع ابلاغ اور عوامی رابطوں کے ذرائع کی فراوانی کے سبب پچھلے دو عشروں میں جتنا تبدیل ہوا ہے۔ اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ سیاست کے روایتی ہتھکنڈے اذکارِ رفتہ ہو چکے ہیں۔ اور سیاسی پارٹیاں جنہوں نے پچاس برس قبل پاکستانی معاشرے پر اپنی مضبوط گرفت قائم کی تھی۔ آہستہ آہستہ اپنا اثر کھوتی جارہی ہیں۔

خلیجی ممالک میں بے شمار پابندیاں اور معاشی سہولیات ہونے کے باوجود دو عشروں میں صورت حال تیزی سے تبدیل ہوئی ہے۔ انٹرنیٹ اور انٹرنیٹ سے وابستہ عوامی رابطوں کے ذرائع نے اس قدر تیزی سے پاکستانی معاشرے کو گرفت میں لیا ہے کہ سیاسی جماعتوں کی مضبوط بنیادیں سوکھے پتوں کی مانند لرزیدہ ہیں۔

قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ انٹرنیٹ کا یہ طوفان چونکائے بغیر ہماری طرز زندگی میں اس طور سے داخل ہوا ہے کہ اس کے اثرات سے تمام معاشرہ ایک خاموش انقلاب کے لیے تیار نظر آتا ہے۔ ان ذرائع نے تیزی کے ساتھ نیم خواندہ اذہان کو بھی اپنی رنگینی سے مسحور کر رکھا ہے۔

۶۰ اور ۷۰ کی دہائی میں پاکستان نہ صرف پڑوسی ممالک بلکہ دنیا کے بہت سارے مشرقی اور مغربی ممالک سے تجارت اور صنعت وزراعت کے میدان میں کہیں زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ ۸۰ کی دہائی کے بعد ترقی کی اس شرح میں تیزی سے کمی آئی۔ تاریخی طور پر جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ساٹھ کی دہائی اگرچہ ترقی کے لحاظ سے قابلِ لحاظ ہے۔ مگر سیاسی استحکام دنیا کے دیگر ترقی پذیر ممالک کی طرح متزلزل اور ناقابلِ بھروسہ ہے۔ نشرواشاعت اور اظہار رائے کی آزادی بھی محدود تھی۔ ۸۰ کی دہائی کے بعد اس صورتحال میں تبدیلی آئی بالخصوص بیسویں صدی کے اختتام پر ایک نیا انقلاب پاکستان کے لیے چشم براہ تھا۔ مگر ذرائع ابلاغ کی یہ ترقی اہلِ سیاست کو راہ راست پر لانے میں ناکافی ثابت ہوئی۔ ذرائع ابلاغ کی ترقی نے پاکستانی سیاست کے تاریک گوشوں کو منور کر دیا۔ مگر حقیقت کا یہ اظہار ہنوز پاکستانی عوام کے لیے نیک شگون ثابت نہیں ہوا۔ سیاست کے یہ بدلتے رویے عہد بہ عہد شعراء کی شاعری میں نمایاں ہوتے رہے ہیں۔

منیر نیازی لکھتے ہیں

> ایک اور نمایاں رجحان ہماری غزل میں آچکا ہے۔ سیاست تصوف کی جگہ لیتی جارہی ہے۔ نئی غزل بظاہر ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ اخلاقیات سے رشتہ توڑ کر اس نئے اخلاقی پروگرام کو اپنا رہی ہے جو سیاست کے تحت آہستہ آہستہ سامنے آرہا ہے غزل میں سیاسی اخلاقیات کی آمد کوئی نئی چیز نہیں ہے ہمارے شعراء نے ظلم سے نفرت دلانے اور ظالم کو عبرت کا سبق سکھانے کے لیے ہزاروں شعر کہے ہیں اسی نوع کی کوشش ہماری جدید غزلوں میں نظر آتی ہے۔ البتہ اس کوشش پر عہد نو کے انداز فکر کی چھاپ موجود ہے۔ ۲

زیب النساء زیبیؔ ایک زیرک اور حساس شاعرہ کی حیثیت سے مندرجہ بالا بیان کردہ حالات کو ایک نئے رنگ سے دیکھتی رہی ہیں۔ زیب النساء زیبیؔ نے اپنے شعروں میں پل پل بدلتی اس صورتحال کو بہت خوبی کے ساتھ اور معنوی گہرائی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

غربت کو منہ لگایا نہ زردار نے کبھی
ہم کو تسلیوں کا سہارا نہ مل سکا

(کلیات ''کاردوام''، تیری یاد آتی ہے، ص، ۲۲۲)

کرسی نشین ملتے ہیں کرسی نشین سے
اپنی نظر کو کوئی نظارا نہ مل سکا

(کلیات ''کاردوام''، تیری یاد آتی ہے، ص، ۲۲۲)

موجودہ سیاسی صورتحال کچھ ایسے ہی نظر آتی ہے جیسا کہ بیان کردہ اشعار میں بتائی کی گئی ہے۔ گذشتہ کئی عشروں سے ذہین اور تعلیم یافتہ افراد بیرون ملک بسنے کا پروگرام بنا رہے ہیں اور لاکھوں کی تعداد میں ملک سے ہمیشہ کے لیے ہجرت کر چکے ہیں۔ یہ صورتحال ملکی معیشت کے لیے نہایت نقصان دہ ہے۔ لیکن اکثر حکومتیں ایسے نظر انداز کرتی رہی ہیں۔ کیونکہ پاکستان جیسا ترقی پذیر ملک تعلیم پر زرِ کثیر صرف کر رہا ہے۔ اور قابل ہنر مند افراد کی اس تیزی سے بیرون ملک ہجرت کئی ایک مسائل کو جنم دے رہی ہیں۔ وطن چھوڑ کر ہجرت کرنے والے افراد بھی باخوشی اس ملک سے ناطہ نہیں توڑ رہے بلکہ حقیقت میں اُن کا وطن سے جانا ملک عزیز کے سیاسی و سماجی اور معاشی نظام پر اظہار عدم اعتماد ہے۔

زیب النساء زیبی کئی بار اس ملک سے جا چکی ہیں اور وہ ہجرت کرنے والوں اور بیرون ممالک کو آباد کرنے والوں کے کرب کو باخوبی سمجھ سکتی ہیں وہ کہتی ہیں۔

میں کیسے اپنا وطن ، چھوڑ کر چلی جاؤں
تمام عمر کے میرے، یہاں حوالے ہیں

(کلیات ''کاردوام''، ہوں تیرے دھیان میں، ص، ۸۵۵)

یہ دنیا زندگی کے دو پہلو ہمہ وقت سامنے رکھتی ہے کہیں پر غم ہوتے ہیں تو اُس کے بالمقابل خوشیاں اپنی جھلک دکھلاتی ہیں۔ دونوں معاملات میں متوازن رہنا انسانی آزمائش بھی ہے اور وصف بھی کہ انسان اللہ کی جانب سے دی گئی ہر خوشی اور دکھ کے لمحات کو متوازن رہ کر گزارنے اور کہیں بھی اُس کی کمزوری نمایاں نہ ہو۔

کہیں ہے عیش و طرب اور ترنوالے ہیں
کہیں مصیبتوں نے، اپنے ڈیرے ڈالے ہیں

(کلیات ''کاردوام''، ہوں تیرے دھیان میں، ص، ۸۵۵)

یہ ٹیکس اور یہ بھتے، بڑھے ہیں جب سے یہاں
سبھی ملوں میں یہاں ، روز روز تالے ہیں

(کلیات ''کاردوام''، ہوں تیرے دھیان میں، ص، ۸۵۵)

یہ سیاسی عدم استحکام اور معاشی ابتری زیب النساء زیبیؔ کے لیے روح فرسا ہے کرب کی یہ کیفیت اُنھیں ہمیشہ بے چین رکھتی ہے اور وہ بے ساختہ بصورت شعر یا نثر اپنے حالات سے آگہی دینا شروع کر دیتی ہیں۔ تکلیف کا یہ اظہار شعر و نثر ہر دو صورت میں اتنا بے ساختہ، گھمبیر اور دل کو تڑپانے والا ہوتا ہے۔ کہ ان سے گزرنے والے اور نہ گزرنے والے دونوں قسم کے لوگ ان کی باتوں سے اتفاق کرتے نظر آتے ہیں۔

کہ ہیرا پھیری بنا، کوئی کام ہوتا نہیں
جہاں بھی دیکھو وہاں ، گندی اک سیاست ہے

(کلیات ''کاردوام''، ہوں تیرے دھیان میں، ص، ۱۴۹۹)

ہیں اقتدار میں چہرے، بد ل بدل کے وہی
نہ جن کا کوئی تعلق، حسب نسب سے ہے

(کلیات ''کاردوام''، ہوں تیرے دھیان میں، ص، ۱۵۰۷)

سیاست عمومی طور پر اپنے ملک کے لوگوں کی بغیر کسی لالچ اور طمع خدمت کرنے کا نام ہے۔ لیکن پاکستان میں سیاست مخلوق خدا کو راہ راست سے بھٹکانے اور ان کے خون پسینے کی کمائی کی بلا تردد اور خوفِ خدا رکھے بغیر لوٹنے کا نام ہے صوبائی اور قومی اسمبلی کے ممبران اپنے حلقوں سے کامیابی حاصل کرنے کے بعد وہاں جانے سے کتراتے ہیں اور اُن کے نام پر ملنے والے فنڈز میں بڑے پیمانے پر خُرد بُرد کرتے ہیں۔ یہ وطیرہ مشرقی ممالک میں کوئی نیا نہیں۔ مگر پاکستان میں ادارہ جاتی کمزوری کے باعث اربوں روپے سالانہ بنیادوں پر کرپشن کی نذر ہو جاتے ہیں۔ عوامی نمائندوں کا ملک و قوم کے ساتھ یہ کھِلواڑ دارز مدت سے جاری ہے۔ لیکن اس پر انگشت نمائی کی اجازت نہیں۔

زیب النساء زیبیؔ نے مذکورہ بالا اشعار میں عوامی نمائندوں کے اس مکروہ اور قابلِ نفرت انداز کی طرف صریح اشارہ کیا ہے۔ اُن کا اہل سیاست کے اوپر تبصرے نما اشعار اس قدر بے ساختہ اور سلیس ہیں کہ بغیر کسی علامتی پیچیدگی کے آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجاتے ہیں۔ لیکن حکومتی ایوانوں پر اور ان ایوانوں میں بیٹھے نمائندوں کی کارکردگی پر اس طرح سے اظہار کرنا آسان کام نہیں۔ کیونکہ جاگیرداری، مارشل لاء کے طویل

ادوار، کم تعلیم یافتہ معاشرے اور حقوق و فرائض سے نابلد بے انصاف معاشرے میں اس طرح کھلے طریقے سے اظہار کرنا اپنے جان و مال کو خطرے میں ڈالے والی بات ہے۔

جنوبی ایشیاء اور خاص طور پر پاکستان میں جمہوری اقدار کے مکمل قیام میں ابھی عرصہ دراز درکار ہے لوگ اپنے حقوق سے مکمل طور پر بے خبر ہیں۔ اُن کی یہ بے خبری ختم ہونے اور عقل و دانش کے استعمال میں ابھی بہت سارے مراحل طے کیے جانے باقی ہیں۔

۱۹۶۰ء سے لیکر ۲۰۰۷ء تک فوجی حکمران کسی نہ کسی طور پاکستانی سیاست کا ایک اہم حصہ رہے ہیں اور عوامی نمائندوں کی اپنی غفلت اور نالائقی نے فوجی مداخلت کو بار بار دعوت دی ہے۔ جس سے جمہوری عمل کے تسلسل میں کمی آئی ہے اور اسی دور میں شاعری میں مزاحمتی رنگ اور لہجہ نمایاں نظر آتا ہے۔

شہزاد منظر اس بارے میں لکھتے ہیں۔

> پاکستان میں صحیح معنوں میں مزاحمتی ادب کا آغاز یوں تو ضیاء دور میں ہوتا ہے لیکن اس قبل خصوصاً ایوب خان کے دور سے لیکر یحیٰ خان کے مارشل لاء تک کے عرصے میں جو ادب تخلیق ہوا اسے بھی بہت حد تک مزاحمتی ادب کہا جا سکتا ہے۔ خواہ اس دور میں یہ اصطلاح وضع ہوئی یا نہ ہوئی ہو۔ ۳

۱۹۶۰ء سے لیکر موجودہ دور تک فوجی حکمرانوں کے ادوار میں مزاحمتی شاعری اور علامتی اندازِ بیان نے بے پناہ ترقی کی۔ مزاحمتی انداز میں دو رویے اور رجحانات عام پائے جاتے ہیں۔ اول یہ کہ اس میں خطابیہ انداز نمایاں ہوتا ہے اور دوسری طرف اپنے آپ کو حاکمِ وقت کے قہر و شر سے بچانے کے لیے بات مبہم کی بجائے علامتی انداز میں کی جاتی ہے۔ تاکہ گرفت میں نہ آسکیں۔ یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ مندرجہ بالا دونوں انداز زیب النساء زیبی کی شاعری میں کم ہی پائے جاتے ہیں۔ جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ کسی مکتبہ فکر کی نمائندگی کرتے ہوئے اپنے زورِ بیان اور عوام الناس کو خطاب کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتیں۔ اور نہ ہی اُن کے سیاسی عزائم اس قدر خطرناک اور تشدد پر اکسانے والے ہیں کہ اُس کا بیان کرتے ہوئے اُنھیں علامت نگاری کا سہارا لینا پڑے بلکہ اس کے برعکس زیب النساء زیبی آپنے ہم عصر مزاحمتی شاعروں سے مختلف اور زیادہ ہمہ گیر نظر آتی ہیں۔ کیونکہ مزاحمت کے بجائے انھوں نے اپنے خیالات کو اس قدر سادہ اور سلیس انداز میں بیان کیا ہے کہ بغاوت کی بجائے نفرت اور استحصالی نظام سے بغاوت کا جذبہ خود بخود انسان کے رگ و پے میں دوڑنے لگتا ہے۔ دوسرا رویہ جو اُن کے اشعار سے واضح ہوتا ہے کہ اُنھوں نے مزاحمت آزادی کا جذبہ اور اظہار رائے کی

آزادی انسانی خصوصیات میں شمار کرتے ہوئے شعروں میں اپنے تجربے کی بنیاد پر اس طرح جگہ دی ہے کہ پتہ چلتا ہے کہ یہ خصوصیات انسانی زندگی کا ایک لازمی حصہ ہیں اور اس سے فرار یا ان آزادیوں پر قدغن کسی طور مناسب عمل نہیں گردانا جاسکتا۔ بقول زیبیؔ

ایسا ہے کون جو مجھے حق تک رسائی دے
دیکھوں جسے بھی خوف زدہ سا دکھائی دے

(کلیات ''کارودوام''، دل میں ہیں آپ، ص، ۸۳)

تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی کوئی گروہ اپنے مقاصد اور مفادات کے حصول کے لیے خلوص سے متحد ہوا ہے تو اس اتحاد نے کرشماتی نتائج دیئے ہیں۔ اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد جنگوں اور تحریکوں کی کئی مثالیں اس ضمن میں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مفلس اس دنیا کا سب سے بڑا طبقہ ہے۔ جو بد قسمتی سے متمدن ہونے کی وجہ سے بڑے مقاصد کے حصول سے محروم رہا ہے۔

ہو غریبوں میں اتحاد اگر
نام امارت کا مٹ بھی سکتا ہے

(کلیات ''کارودوام''، تیری یاد آتی ہے، ص، ۲۰۶)

جعلی ڈگری سے عہدے عطا ہو گئے
مکر سب کے رگ وپے میں پلتا رہا

(کلیات ''کارودوام''، تیری یاد آتی ہے، ص، ۲۲۰)

پاکستان کے موجودہ سیاسی صورتحال میں ہر جماعت اپنی حکومت کے دوران اعلیٰ سیاسی و سماجی عہدوں پر اپنے نمک خواروں کو براجمان کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔ اور محنت کرنے والے کارکنوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی یہ شعر ایسی ہی صورتحال کا غماز ہے۔

جتنے منصب تھے ایواں میں بٹتے رہے
شہر کا شہر غربت میں جلتا رہا

(کلیات ''کارودوام''، تیری یاد آتی ہے، ص، ۲۲۰)

ہیں آج غریبوں کے قاتل، وہ تخت نشیں وہ آمر ہی
جو جیت کے جعلی ووٹوں سے کہتے ہیں ہمیں تو مات نہیں

(کلیات ''کارودوام''، ہوں تیرے دھیان میں، ص،۸۵۷)

رشوت ستانی اور لوٹ مار کے گرم بازار میں برے بھلے کی پہچان کم و بیش ناممکن ہو چکی ہے۔ مادہ پرست معاشرہ اپنی رو میں لوگوں کو بہائے جارہا ہے اور کسی کو یہ سمجھ نہیں آرہی کہ ان کی اصل منزل کیا ہے؟

جب ملک کے حاکم بک جائیں اور افسر راشی ہو جائیں
اس ملک کا اللہ حافظ ہے پھر خیر کی کوئی بات نہیں

(کلیات ''کارودوام''، ہوں تیرے دھیان میں، ص،۸۵۷)

سیاسی رہنماؤں کی یہ نوع بہ نوع اور کریہہ تصویریں دکھانے کا مقصد غیر شعوری طور پر اور شعوری طور پر اصلاحِ معاشرہ کے زمرے میں آتا ہے۔ اور یہی رجحان اکثر اوقات تحریکوں میں بدل جاتے ہیں۔ زیبیؔ کے پیش نظر اصلاحِ معاشرہ کبھی بھی اولین مقصد نہیں رہا ہے۔ مگر انسانی تکلیفیں حکمران طبقے کی بے حسی اور مکاری نے زیب النساء زیبیؔ جیسے حساس دل شاعرہ کو اتنا متاثر کیا کہ انھوں نے اپنے اشعار میں جابجا ان غلط رویوں کی کھلم کھلا اور صاف تصویر قارئین اور ناقدین ادب کے سامنے رکھ دی ہے۔

زیب النساء زیبی کے یہاں سیاسی شاعری عام شعراء کی طرح علامتی انداز کی حامل نہیں رہی ہے۔ کہیں کہیں علامات نظر آتی ہیں۔ لیکن زیادہ تر مواقع پر اُن کی شاعری لگی لپٹی رکھے بغیر اور سلیس ہے اُن کی علامات بالخصوص وہ علامات جو سیاسی شاعری میں استعمال ہوئی ہیں عوامی اور آسان ہیں۔

پاکستان کا موجودہ سیاسی منظر نامہ پاکستان کے خوفناک سیاسی مستقبل کی منظر کشی کر رہا ہے۔ بڑھتی آبادی امیر اور غریب میں حائل ہوتی معاشی خلیج، تبدیلی حالات کی افراء تفری اور دھوکے بے ایمانی اور امیر بننے کی دوڑ نے پاکستانی معاشرے میں دراڑیں ڈال دی ہیں اور مسلسل دباؤ کی وجہ سے معاشرے کی شیرازہ بندی میں مشکلات پیش آرہی ہیں۔ قریب ہے کہ ہمارا معاشرہ مسلسل دباؤ برداشت نہ کر سکے اور نظام معاشرہ ہمیشہ کے لیے تلپٹ ہو جائے۔

زیب النساء زیبیؔ کے نزدیک یہ صورتحال کسی بھی طرح قابل قبول نہیں لیکن وہ بساط بھر کوشش کر کے اس گلے سڑے سیاسی نظام کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیے ہوئے ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اُن کی آواز میں خطیبانہ انداز کے بجائے نشتر چبھنے کی سی کیفیت پائی جاتی ہے۔ یہ شعری آہنگ آہستہ روی سے انسانوں کو بیدار کرنے کا کام سرانجام دے رہا ہے۔ اقبال نے اپنی پہلی شعری کتاب کو ''بانگ درا'' یعنی ''صدائے جرس'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔

زیب النساء زیبیؔ کے شعری مجموعے علامہ اقبال کی طرح کسی خاص طرز فکر اور ارادے کے عکاس نظر نہیں آتے بلکہ معاشرے کے مجموعی رجحانات اور خانگی معاملات کو سیاست کی گہما گہمی سے ہم آہنگ کر کے ایک نئی آواز پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس میں قدرتی انداز بھی نمایاں ہے اور نیز نگیِ تقدیر کی کار فرمائی بھی پورے طور پر نظر آتی ہے۔

ب۔ حکمرانوں پر تنقید

آزادی کے بعد کے اولین برسوں میں پاکستان کے حکمران بغیر کسی لالچ اور طمع کے پاکستان کی خدمت میں مشغول رہے تاہم ابتداء میں دستور ساز اسمبلی کے ہاتھوں قرار دادِ مقاصد منظور ہونے کے بعد آئین سازی کی طرف بوجوہ توجہ نہ کر سکے اور پہلا آئین دستور ساز اسمبلی کے قیام کے (۹) سال بعد منظور کیا گیا۔ ۱۹۵۶ کا آئین ۱۹۵۸ میں پاکستان میں ایوب خان کے مارشل لاء کے بعد معطل کیا گیا۔ اور اس کی جگہ ایک نیا آئین منظور ہوا۔ جس میں پارلیمانی جمہوریت کی جگہ صدارتی جمہوریت کو جگہ دی گئی۔ لیکن اختیارات میں توازن نہیں تھا۔ اور نہ صدارتی اختیارات پر کسی قسم کے قدغن لگائے گئے تھے۔ لہذا اختیارات کے ارتقاز کے سبب پہلا صدارتی آئین ناکامی سے دوچار ہوا۔ صوبائی خود مختاری کی جگہ بڑے پیمانے پر میونسپلٹی کی سطح پر اختیارات کی تقسیم کی گئی اور ان ضلعی حکومتوں کو پسند کے مطابق فنڈز جاری کئے گئے۔ اختیارات میں عدم توازن کے سبب مشرقی بازو بنگلہ دیش بن کر ہم سے جدا گیا۔ پاکستان کا موجودہ آئین ۱۹۷۳ء میں وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی انتھک کوششوں کی بدولت منظور ہوا۔

۱۹۷۳ء کا آئین قبل ازیں ۱۹۶۲ کے آئین سے متصادم بلکہ یکسر مختلف رہا جبکہ پاکستان کے پہلے آئین کے ساتھ مماثلت رکھتا ہے۔ ۱۹۷۳ء کے آئین میں زمانی تقاضوں کے مطابق ترامیم کی گئی ہیں یہ ترامیم کم و بیش تیس کی تعداد میں ہیں۔

یہ آئین بہت ساری جگہوں پر واضح نہ ہونے کے سبب ابہام کا شکار ہے اور ان ابہامات کی وجہ سے مسلسل ترامیم کی ضرورت پیش آتی رہی ہے۔ دنیا کی سب سے قدیم جمہوریتوں کی کہانی بھی پاکستان سے زیادہ مختلف نہیں رہی ہے۔ لیکن ایک پٹڑی پر آجانے کی وجہ سے آہستہ آہستہ جمہوری نظام عوام کے رگوں میں سرایت کر چکا ہے۔ سوئز لینڈ اور برطانیہ کی مثالیں اس ذیل میں دی جاسکتی ہیں۔ دونوں ممالک کی ابتدائی جمہوری حکومتوں کی تاریخ قابلِ فخر نہیں رہی لیکن تسلسل کے سبب ان میں موجود خامیاں ختم ہو چکی ہیں۔

پاکستانی حکومتیں بد قسمتی سے مارشل لاؤں کے زیر اثر رہی۔ فوجی حکمرانوں کے اقتدار پر قبضے کی کامیاب کوششوں میں اُن کی اپنی صلاحیتوں سے زیادہ عوامی نمائندوں کی نالائقی اور پھوہڑ پن کا زیادہ حصہ رہا ہے۔ زیب النساء زیبیؔ نے مارشل لاء اور جمہوری حکومتوں میں اظہار رائے کی آزادی کو اس طور استعمال کیا ہے کہ اُن کے اوپر گرفت کرنا ممکن نہیں رہا اور نہ ہی انھوں نے اپنے تجربے کو فرد واحد کے تجربے کی طرح بیان کیا ہے بلکہ حکمرانوں اور مقتدر طبقے پر تنقید کے وقت انھوں نے ذاتی تجربے کو اجتماعی تجربے کے ذیل میں برتنے کی کوشش کی ہے۔ اس وجہ سے انھیں نا صرف اپنے پیغام کو عوامی سطح پر پہنچانے میں آسانی رہی ہے بلکہ اُنھیں کسی قسم کی حکومتی دقتیوں اور مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

ساٹھ کی دہائی میں مزاحمتی رجحان فروغ پانے کی وجہ سے ادبی رجحانات میں یکسر اور معنی خیز تبدیلی واقع ہوئی۔ مزاحمتی ادب صرف ایک استعارہ نہ رہا بلکہ اس کے تحت لکھنے جانے والے ادب کو نمایاں اور قابلِ قدر مقام حاصل ہوا۔ ڈاکٹر روبینہ شہناز مزاحمتی ادب کی اصلاح کو ان الفاظ میں واضح کرتی ہیں۔

> ہمارے ہاں مزاحمتی ادب کی اصطلاح فوجی حکومتوں کے ادوار میں استعمال ہوئی یہ لفظ زیادہ تر ۱۹۷۷ء کے مارشل لا کے دوران استعمال ہوا۔ اگرچہ مزاحمتی اجتماعی اور مدافعتی ادب اس عہد میں لکھا گیا۔ ۴

۱۹۶۰ء سے لیکر ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کے الگ ہونے تک جہاں صنعتی اور زرعی پیش رفت ہوئی وہیں مارشل لاء کے سبب اظہار رائے کی آزادی پر مختلف قسم کی پابندیاں اور قدغنیں لگائی گئی۔ ہر چند پاکستانی شعری و نثری ادب میں بڑی تعداد میں نامور شعراء اس دہائی میں اپنے فنی اور فکری جوہر کا مظاہرہ کرتے رہے۔

پاکستان کے قیام کے ابتدائی دنوں میں قیادت بالعموم مخلص اور محنتی رہی لیکن ایوب خان کے مارشل لا ءسے قبل چند ایسے حکمران پاکستان کی نصیب میں آئے جن کی وجہ سے پاکستان کی تقدیر کا پانسہ ہمیشہ کے لیے پلٹ گیا۔ محلاتی سازشیں بالعموم اسی لیے کامیاب ہوتی رہی کہ ۱۹۵۶ تک باقاعدہ آئین موجود نہ تھا۔ گورنر جنرل غلام محمد جیسے لوگ پاکستان کی تقدیر کے لیے اماوس کی رات ثابت ہوئے۔ ایک ایسا شخص جو بولنے فکر و تدبر اور چلنے پھرنے سے قاصر ہو کس طرح ایک ملک کے مقتدر ترین عہدے پر براجمان رہ سکتا ہے۔

گورنر جنرل غلام محمد کی مثال نے یہ ثابت کیا کہ قتدار سے چمٹا رہنا ہر صورت ضروری ہے چاہے اُس کے لیے ملکی معیشت اور اچھی شہرت کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ ۱۹۵۶ء میں پاکستان کے اولین آئین کے بننے میں حکمرانوں کی ذاتی توجہ سے زیادہ عالمی سطح پر بدترین سُبکی کا مسئلہ درپیش تھا۔ لہذا آئین بنانے میں ۹ سال

کے بعد بالآخر کامیابی حاصل کی گئی۔ ۱۹۵۶ کا آئین دو سال کے بعد فیلڈ مارشل جنرل محمد ایوب خان کے ہاتھوں معطل کیا گیا۔ سویلین حکمرانوں کے ہاتھوں صحیح معنوں میں کام نہ کرنے کی وجہ سے اقتدار فوج کے ہاتھوں میں منتقل ہو گیا۔ ۶۰ کی دہائی پاکستان میں صنعتی اور زرعی ترقی کی دہائی مانی جاتی ہے۔ لیکن اس دور میں بنیادی حقوق کی جانب عدم توجہی اور قانون و انصاف کے تقاضے نہ پورا کرنا یعنی قوانین کا بنانا اور انھیں لاگو کرنے میں ایک دقت کا سامنا رہا۔ جس کی وجہ سے مشرقی پاکستان میں بد نظمی اور عدم اعتماد کی فضا ہر گزرتے دن کے ساتھ گہری ہوتی گئی۔ اور بالآخر ملک کا مشرقی بازو اُس سے الگ ہو گیا۔

زیب النساء زیبیؔ نے جب ہوش سنبھالا تو اُس وقت ملک ٹوٹ چکا تھا اور عدم تحفظ کی فضا قائم تھی اسی فضا میں قوم کو ایک طاقتور راہنما ذوالفقار علی بھٹو کی صورت میں میسر آیا۔ ذوالفقار علی بھٹو جنرل ایوب خان کی کابینہ میں وزیر خارجہ تھے۔ لیکن بعد میں ان کی پالیسوں سے شدید بغاوت کے مرتکب پائے گئے۔ بغاوت کا یہ جذبہ اس قدر بڑھا کہ سقوط ڈھاکہ سے قبل فلیڈ مارشل ایوب خان کو استعفیٰ دینا پڑا تھا۔ یہ سارا پس منظر زیب النساء زیبیؔ نے کراچی جیسے ہنگامہ خیز شہر میں رہتے ہوئے خود ملاحظہ کیا تھا اور اُن کے بعض شعروں میں تلخی حالات کے ساتھ ساتھ طرزِ حکمرانی پر بے لاگ تنقید اور تبصرے ملتے ہیں۔

زباں بھی کاٹ دی اُس نے تو کیا غم
اشاروں سے بھی میں سچ بولتی ہوں

(کلیات ''کار و دوام''، دل میں ہیں آپ، ص، ۹۶)

سامنے منصور ہے، سقراط ہے اور کربلا
دار ہے سچائی کا انعام تو پانی کہاں

(کلیات ''کار و دوام''، کوئے محبوب سے ہجرت، ص، ۱۵۴۱)

جو دلوں کے ہیں غنی اور ذہن ہیں جن کے حسیں
سرفرازی ان کی خُو ہے فکرِ سلطانی کہاں

(کلیات ''کار و دوام''، کوئے محبوب سے ہجرت، ص، ۱۵۴۱)

مسلسل نالائق حکمرانوں کی آمد نے معاشرے کو بد عنوان بنا دیا۔ ابتداء میں مالی بد دیانتی انتہائی بری لت سمجھی جاتی تھی مگر بعد میں بد عنوان عناصر حکومت پر ایسے قابض ہوئے کہ یہ عادت بذاتِ خود قابل افتخار چیز سمجھی جانے لگی سچے اور دیانتدار لوگ معاشرے میں گوشہ نشیں ہو چکے چور اُچکے اور رسہ گیر افراد کی معاشرے

میں ریل پیل ہو گئی۔ آہستہ آہستہ اخلاقی قدریں برباد ہونے کے سبب ہمارا معاشرہ انسانوں کے بجائے بھیڑیوں کے ہجوم کا منظر پیش کرنے لگا ہے۔

ساٹھ کی دہائی کے بعد ان عناصر نے جو ترقی کرنا شروع کی ہے۔ اکیسویں صدی میں وہ بام عروج پر پہنچ چکی ہے۔ زیبیؔ کے مندرجہ بالا اشعار سچائی کا راستہ روکنے، دروغ گوئی اور بددیانتی کے معاشرے میں جگہ پانے کا نوحہ سناتے ہیں۔

ستم بالائے ستم یہ کہ معاشرے میں ان غلط عادات نے ایسے جگہ پالی ہے کہ یہ کام ہمارے عادتِ ثانیہ بن چکے ہیں۔ منافقت نے ان عادات کو ایک اچھے لبادے میں چھپانے میں بے انتہا مدد کی ہے۔ لہذا ہمارا امروزہ معاشرہ اخلاقی سیاسی اور سماجی پستی کے پاتال میں جا گرا ہے۔ ذاتی مقاصد کے لیے قومی وسائل کے بے دریغ استعمال اور مال و دولت جمع کرنے کی حرص نے معاشرے کو نفسا نفسی کی کیفیت سے دوچار کر دیا ہے۔ مقتدر طبقے کی جانب سے اختیارات کے غلط استعمال نے عام لوگوں کے لیے غلط مثال قائم کی ہے اور جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ عوام حکمرانوں کی پشت پر ہوتے ہیں لہٰذا مقتدر طبقے اور اشرافیہ کے غلط فیصلوں نے پورے معاشرے کو اخلاقی لحاظ سے دیوالیہ کر دیا ہے۔ معاشرہ ہمیشہ سے ایک راہنما اور استاد کا کردار ادا کرتا ہے۔ لیکن بگڑی ہوئی صورتحال میں یہ استاد نسل نو کی صحیح تربیت کے بجائے اُن کے بگاڑ کا سبب بن رہا ہے۔ حکمرانوں کی یہ روش اور معاشرے کا یہ چلن حساس دل شعراء کے لیے کبھی راحت و آرام کا باعث نہیں بنا اور ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء سے شروع ہونے والی ادبی مزاحمتی تحریک ہنوز جاری و ساری رہے۔ ۶۰ کی دہائی سے لے کر موجودہ دور تک بہت سارے شعراء جن میں عام اور خاص ہر دو طرح کے ادیب اور شاعر شامل تھے۔ اپنے اپنے تجربے اور فکر کے حساب سے پاکستانی حکمرانوں کے طرزِ حکمرانی پر حاشیہ آرائی کرتے رہے ہیں۔

۶۰ء کی دہائی سے شروع ہونے والا ٹوٹ پھوٹ کا عمل ۷۰ اور ۸۰ کی دہائی میں بھی اپنے جوبن پر نظر آتا ہے۔ ۷۰ء کی دہائی کے آخر میں لگنے والے دوسرے مارشل لاء نے اخلاقی اور معاشرتی تنزل کی رفتار تیز کر دی۔ ڈاکٹر رشید امجد لکھتے ہیں۔

> ۷۳ کے آئین نے ملک میں قانون کی حکمرانی کی راہ ہموار کر دی اور سمت کا احساس ہونے لگا لیکن ۱۹۷۷ء کے مارشل لا نے ملک کو پھر اندھیری راہ پر دھکیل دیا اس مارشل لا کا کوئی قانونی، اخلاقی اور آئینی جواز نہ تھا۔ آئین موجود تھا۔ پی این اے اور حکومت کے درمیان سمجھوتہ طے پا گیا تھا لیکن پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت

مارشل لا لگا دیا گیا۔ یہ پاکستان کی تاریخ کا بدترین زمانہ ہے۔ اس مارشل لا نے جہاں ایک قومی ہیرو کو پھانسی پر لٹکا کر ہیرو اور سمت کا تعین دھندلا دیا وہاں سیاسی عمل کو بے اثر بنانے کے لیے لسانی، مذہبی اور علاقائی تعصبات کو ہوا دی۔ افغانستان کے نام نہاد جہاد نے ملک کو جس جہادی کلچر سے آشنا کیا اور تشدد کی جو پنیری لگائی آج پورا پاکستان اس کی فصل کاٹ رہا ہے۔ ۵

جیسا کہ بیان کیا گیا کہ ۱۹۷۷ء میں لگنے والے دوسرے مارشل لاء میں پاکستانی تہذیب و ثقافت اور روایتی مہمان داری کی روایات تیزی سے دم توڑنے لگیں اور اس کی جگہ خود غرضی، تنگ دلی، مال و دولت کی ناجائز طریقوں سے حصول کی راہوں کی تلاش اور بہت سارے ایسے ذہنی و معاشرتی عوارض اس معاشرے کو لاحق ہو گئے کہ اُن سے جان چھڑوانا ناممکن حد تک مشکل ہو گیا۔ افغان مہاجرین کی آمد نے تشدد اور بے راہ روی کا ایسا عنصر پاکستانی معاشرے میں داخل کیا کہ ہنوز اُس کے مٹنے کے آثار دور دور تک نظر نہیں آتے جدید قسم کی منشیات اور اسلحہ کے بھرمار نے آبادی کے نوجوان اور ادھیڑ عمر طبقے کو منشیات کا عادی اور پر تشدد بنا دیا۔ رہی سہی کسر مغربی فلموں کی مقبولیت اور اُن میں پائے جانے والے تشدد پر مبنی جنس کے عنصر نے پوری کر دی۔ یہ ایک ایسا دس سالہ دور تھا جس نے ہزاروں سالوں پر مبنی خیالات اور ادب و آداب کی روایات کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ اس دس سالہ عہد کا شاخسانہ تھا کہ دو جمہوری حکومتیں یکے بعد دیگرے کرپشن کے الزامات اور بڑے طرزِ حکومت کے سبب برخاست کی گیں۔

۹۰ء کی دہائی میں اُنہی رجحانات کو فروغ ملتا نظر آتا ہے۔ جس نے ۷۰ اور ۸۰ء کی دہائی میں پاکستانی جمہوریت کے اندر اپنا زہر داخل کیا تھا۔ کمر توڑ مہنگائی، لاقانونیت اور توانائی اور پانی کی عدم دستیابی نے عوامی جذبات کو مشتعل کر دیا۔ ایک اور نقطہ جو آہستہ آہستہ حکومتوں کے اعصاب پر سوار ہونے لگا تھا انتہائی تیزی اور بے لگام بڑھتی آبادی نے دشت و بیاباں اور زرخیز زمینوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ نتیجتاً مکمل نشوونما سے محروم اور بے گھر اور لاچار افراد کی ایک ایسی نسل نے جنم لیا جس نے اکیسویں صدی کے آغاز میں پاکستانی شہروں بالخصوص کراچی اور لاہور جیسے شہروں میں لاقانونیت اور مجرمانہ سرگرمیوں کا بازار گرم کر دیا۔ یہ کڑوڑوں کی تعداد میں بچے موجودہ اور آنے والی حکومتوں کے لیے مستقل دردِ سر کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ بے ہنر مگر قتل و غارت گری اور راہزنی میں یکتا نسلِ نو کے ان افراد نے قانون کی حکمرانی کو مسلسل چیلنج کر رکھا ہے اور اس پر ستم یہ کہ موجودہ برسر اقتدار طبقہ ان افراد کے بارے میں اپنا رویہ تبدیل کرنے کے لیے قطعاً تیار نہیں اور نہ

ہی اشرافیہ کے کسی زرخیز اور مخیر ذہن نے ان کی تعلیم و تربیت اور ہنر مند بنانے کے بارے میں سوچنے کی زحمت کی ہے۔ بڑھتی آبادی کے ساتھ قلتِ آب، موسمیاتی تبدیلی، شہروں کے پھیلاؤ اور زمین کے بجائے طرزِ تعمیر پاکستانی شہروں کا طرہ امتیاز بنتا جارہا ہے۔

خوف ہے دل کے خون ہونے کا
حوصلہ ہی نہیں ہے رونے کا

(کلیات ''کارودوام''، کوئے محبوب سے ہجرت، ص،۱۵۳۸)

لٹنے لگی ہے اب تو دولت فقیر کی بھی
چوروں سے بھر گئے ہیں ایوان آج کل کے

(کلیات ''کارودوام''، تیری یاد آتی ہے، ص، ۲۱۵)

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ نہایت قلیل تعداد میں انگریزوں نے یہاں کی اکثریت پر ایک صدی سے زیادہ عرصے تک حکومت کی۔ اُن کی حکومت کو کامیاب بنانے میں یہاں اُن کے گماشتوں کا زیادہ ہاتھ رہا ہے۔ زیریں شعر اس پس منظر کی پوری طرح سے وضاحت کر رہا ہے۔

فرنگی ہاتھ میں، ہیں کھیلتے جو
انہی لوگوں کی، سب غداریاں ہیں

(کلیات ''کاردوام''، تیری یاد آتی ہے، ص،۲۱۱)

کہیں سیلاب نے چھوڑا نہیں ہے
کہ ہر جانب ہی، آہ وزاریاں ہیں

(کلیات ''کاردوام''، تیری یاد آتی ہے، ص، ۲۱۱)

دباتے ہیں رعایا کو، ستاکر
حکومت کی، بڑی فنکاریاں ہیں

(کلیات ''کاردوام''، تیری یاد آتی ہے، ص، ۲۱۰)

۹۰ء کی دہائی کے اختتام نے اکیسویں صدی کے آغاز میں ایک خوفناک منظر پیش کر دیا۔ ۲۰۰۱ء میں ہونے والے ۹/۱۱ کے حادثے نے تخریب پسندی اور قتل وغارت گری میں مسلمانوں کو ملوث کر دیا۔ اگرچہ یہ حادثہ وحشیانہ اور قابل افسوس تھا۔ لیکن ایک حادثے کے نتیجے میں پورے مذہب کو موردِ الزام ٹھہرانا ایک قبیح

اور غلط عمل تھا۔ نتیجتاً مسلمان جو پہلے ہی مخالف قوتوں کے ترکش کا شکار تھے ایک دفعہ پھر تاریخی ظلم و ستم کی چکی میں پسنے لگے یہ حادثہ اتنا بڑا نہیں تھا کہ اس کے لیے پوری دنیا کے مسلمانوں سے انتقام لیا جاتا مگر میڈیا نے تمام الزمات اس اکیلے اور امن پسند مذہب پر تھوپ دیئے یہ جانے بغیر کہ مذہب اسلام قتل و غارت گری اور تخریب کا سب سے بڑا مخالف اور امن کا بے لوث داعی ہے۔ اس حادثے کے بعد مسلمان ادیبوں بالخصوص فلسطینی اور مصری عربی شاعری اور نثر میں ایک عظیم انقلاب برپا ہوا اور یورپی ممالک میں مقیم مسلمان اہل ادب نے اس کے اوپر کھل کر لکھا۔

جوں جوں دن گزرتے گئے اس حادثے کی گونج تیز ہوتی گئی اور ویسے ویسے اقلیت میں شمار غیر مسلم ممالک میں مسلمانون پر دنیا کی تاریخ کے سب سے بڑے ظلم و ستم ڈھائے گئے۔ اس حادثے میں عرب ہی نہیں بلکہ پوری دنیا بشمول برصغیر پاک و ہند کے شاعروں کو بھی متاثر کیا۔ حادثے کے بعد افغانستان میں قائم طالبان حکومت اور اسامہ بن لادن کی جہادی تنظیم القاعدہ کے خلاف پاکستانی افواج اور حکومت، حکومتِ امریکہ اور اس کے نیٹو اتحادیوں کے ساتھ مل کر اُن کے خاتمے کی کوشش میں شامل ہو گئی۔

حکومت پاکستان کی اس فوری تبدیل شدہ پالیسی کو ابتداء میں پاکستانی عوام کی مدد اور حمایت حاصل نہ تھی۔ کیونکہ روس کے خلاف بنائی گئی جہادی تنظیموں اور کارکنوں نے گزشتہ پندرہ سے بیس برسوں میں اپنی جڑیں کافی مضبوط کر لی تھیں۔ افغان مہاجرین کے علاوہ دیگر مسائل بھی پاکستانی حکومت کا منہ چڑا رہے تھے۔ ایسے میں افغانستان پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے حملے نے افغان مہاجرین کی ایک نئی کھیپ کو پاکستان میں جگہ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ اور وہ ملک جو سخت معاشی حالات کا سامنا کر رہا تھا ایک دفعہ پھر مہاجرین کے نئے سیلابی ریلے سے مضمحل ہونے لگا۔ افغان مہاجرین ۱۹۷۹ء سے یہاں پر مقیم تھے لہٰذا زبان و مذہب کی یکسانیت پاکستانی معاشرے میں ان نئے لوگوں کو ضم کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ تاہم بہت جلد پاکستانی عوام کے اس لامتناہی جنگ میں حصہ دار بننے کے نقصانات نظر آنے لگے اور یوں حکومتوں نے پیش آمدہ حالات کے پیش نظر نئی افغان پالیسی تشکیل دینے میں اہم کردار ادا کیا۔

اکیسویں صدی کے پندرہ سے بیس برس کے دوران زیب النساء زیبیؔ نے تاریخِ پاکستان سے گہرا شعور حاصل کیا اور اُن کی شاعری میں دیگر ہم عصر شعراء کی مانند دہشت گردی، قتل و غارت گری وغیرہ جیسے موضوعات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ خونِ مسلم کی ارزانی اور بے توقیری ہم عصر شعراء کے لیے ایک بھیانک خواب سے کم نہیں اور اسی وجہ سے پاکستان میں رہنے والے انسان دوست شعراء نے کم و بیش ان تمام

موضوعات پر قلم کشائی کی ہے جو اس ذیل میں آتے ہیں۔ زیب النساء زیبی سبھی ان میں سے ایک ہیں۔ کراچی جیسے عروس البلاد شہر میں جہاں ہر واقعہ اور اثر بہت تیزی سے نمایاں ہوتا ہے۔ زیب النساء زیبی نے اپنے قلم کو ان تمام سماجی، اور معاشی اور معاشرتی موضوعات پر لکھنے کے لیے اپنا قلم مخصوص کر رکھا ہے۔ تاکہ اس طور وہ سماج میں پیدا ہونے والی بے چینی کو نا صرف بیان کر سکی بلکہ اپنے فہم کے مطابق غلط قسم کی تبدیلیوں کی راہ میں رکاوٹ بننے کے لیے رائے عامہ اور قارئین ادب کی بساط بھر راہنمائی بھی کر سکیں۔

خدا محفوظ رکھے قافلے کو
کہ رہزن رہنمائی کر رہا ہے

(کلیات "کاردوام"، دل میں ہیں آپ، ص، ۱۱۷)

رنج و راحت سے مرکب ہے نظام دنیا
یہ مصیبت کا زمانہ بھی گزر جائے گا

(کلیات "کاردوام"، تیری یاد آتی ہے، ص، ۱۸۷)

یہ سماجی طور پر موجودہ معاشرے میں ایک حقیقت سمجھی جاتی ہے کہ کم ظرف لوگ ہمیشہ اپنے محسنوں کا نام روشن کرنے کی بجائے اُن سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب کسی منزل پر پہنچتے ہیں تو اپنے رہنما کا نام لینا تک گوارا نہیں کرتے۔ زیریں شعر اسی تلخ سماجی حقیقت کی جانب ایک واضح اشارہ دیتا ہے۔

معروف جن کو ہم نے کیا ہے جہان میں
کرتے ہیں آج وہ ہمیں نام و نشاں سے دور

(کلیات "کاردوام"، تیری یاد آتی ہے، ص، ۱۸۹)

ہے بغل میں چھری زباں پہ رام
زیبی اپنا تو ایسا طور نہیں

(کلیات "کاردوام"، تیری یاد آتی ہے، ص، ۱۹۶)

انسان بعض اوقات بے تکلفی میں ایسے الفاظ منہ سے نکالتا ہے جو دوسرے لوگوں کے لیے ناقابل برداشت ہوتے ہیں بے تکلفی اور رواروی میں وہ مرتبے اور عمر کا خیال نہیں رکھتا اور دل آزاری کر بیٹھتا ہے جو اُس کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔

گالیوں پر آگئے تم ایسے منہ پھٹ ہو گئے
بات کرنی ہے تو کیجیے ایک انساں کی طرح

(کلیات ''کاردوام''، تیری یاد آتی ہے، ص،۲۰۹)

دباتے ہیں رعایا کو، ستا کر
حکومت کی، بڑی فنکاریاں ہیں

(کلیات ''کاردوام''، تیری یاد آتی ہے، ص،۲۱۰)

موجودہ دور مسلمان ممالک کے لیے خوشی کا نہیں بلکہ قابلِ افسوس اور اس بدترین صورتحال سے نکلنے کی کوشش کرنے کا دور ہے لیکن پوری مسلم دنیا میں ایسی قابلِ احترام اور ذی شعور شخصیت دکھائی نہیں دیتی جو مسلمانوں کے دکھتی رگوں سے واقف ہو کر ان کی کمزوریوں کو اپنے قائدانہ صلاحیتوں سے دور کر سکے۔ قحط الرجال کی یہ کیفیت وطن عزیز میں بھی نمایاں ہے۔ جہاں بد عنوان عناصر یکے بعد دیگرے ملکی اقدار کی بھاگ دوڑ سنبھالتے رہے عوامی رہنماؤں کی اس خود غرضی اور بد عنوانی نے بارہا افواج کو اقتدار پر قبضے کے لیے مائل کیا کم شرح خواندگی اور اپنے حقوق و فرائض سے لاعلمی نے موجودہ دور میں پاکستان کو شدید معاشی و معاشرتی دشواریوں سے دوچار کر رکھا ہے۔ بڑھتی آبادی گندگی اور غلاظت کے ڈھیر نفیس طبیعیت اور مزاج رکھنے والوں کے لیے گراں باری کا سبب ہیں ناانصافی بنیادی ضروریات کی عدم دستیابی تعلیمی وسائل میں کمی، غذائی قلت پانی اور توانائی کی کمی ان بے تحاشا مسائل میں سے چند ہیں۔ جنہوں نے ہمارے ملک کو قابل رہائش نہ بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ طبقہ اشرافیہ اور غریبوں میں مالی حالات سے بڑھتی خلیج محروم افراد کے دل میں طبقہ امراء کے لیے شدید غم و غصے کا باعث ہے اس پر مستزاد یہ کہ ان مسائل کے حل کے لیے قیادت کی جانب سے کسی واضح پالیسی کا اعلان بھی نہیں ہے اور نہ ہی مستقبل قریب میں ایسی کسی بھی کوشش کا امکان دکھائی دیتا ہے کہ کسی مستقل اور جامع پالیسی کا نفاذ کیا جائے جس پر تمام سیاسی جماعتیں بالاتفاق عمل کریں۔ یہی وجہ ہے کہ وطن عزیز میں رائے دہندگان کی شرح انتخاب کے دوران انتہائی کم ہے۔ اس کے باوجود کہ موجودہ دور میں شاعروں کا انتخاب محدود نہیں رہا ہے۔ اور وہ نظم اور دیگر اصنافِ سخن میں بھی طبع ازمائی کر رہے ہیں۔ اُردو غزل کا کینوس معاشرے کے بدلتے رویوں میں بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر اشفاق احمد ورک لکھتے ہیں۔

بیسویں صدی میں اُردو غزل نے مفاہیم و معانی کے کئی چولے بدلے۔ یہ نعرے بازی سے اشارے بازی تک اُٹھنے والی ہر آواز میں اپنی آواز ملاتی چلی گئی۔ اس صدی کے رخصت ہوتے ہوئے اُردو غزل کو ایسا اعتبار اور معیار میسر آگیا کہ پوری اُردو شاعری اس صنفِ سخن کے اشارہ ابرو کی محتاج نظر آنے لگی۔۔۔ مذکورہ صدی کے ربع آخر تک آتے آتے معاملہ بندی، معانی آفرینی بے ساختگی، رموز و علائم اور حسن و عشق کے ساتھ ساتھ تہ داری بھی اس دو مصرعی صنف کے ہم رکاب ہوتی چلی گئی۔۔۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اتنے کڑے معیار کے باوجود اس کی مقدار میں کمی واقع نہیں ہوئی بلکہ اونچی دکان کا یہ پکوان پھیکا پڑنے کی بجائے اور بھی لذت پذیر ہوتا چلا گیا۔ نئے غزل نگاروں کی ایک فوج ظفر موج اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اس کی مقدار، رفتار، معیار اور وقار میں اضافہ کرتی چلی گئی۔ اسے اُردو غزل کی سخت جانی کہیے یا ہر دلعزیزی کا لقب عطا کیجے کہ۔۔۔ تمام تر خدشات اور بدگمانیوں کے باوجود اس لطیف صنف سخن کی مقبولیت اور معیار کا گراف بلند سے بلند ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ۶

زیب النساء زیبیؔ نے اپنے عہد کی مناسبت سے مزاحمتی رویہ اپنانے اور بوقت ضرورت اُسے ایک موثر ذریعہ پیغام رسانی بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ صنفِ نازک ہونے کے باوجود اُن کی شاعری میں مزاحمتی رویہ دیگر عام شاعرات کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔ تاہم شاعروں کی طرف اُن کی نظموں اور غزلوں میں مخصوص نظریات کی ترویج نہیں ملتی بلکہ اُن کا بیانیہ ایک عام فرد کا بیانیہ ہے۔ جو زیادہ طاقتور سہل اور بڑے طبقے تک رسائی کی مکمل صلاحیت سے مالا مال ہے۔

ج۔ سیاست اور جمہوریت کا دوہرا معیار

قیام پاکستان کے بعد انگریز حکمرانوں کے چلے جانے کے بعد انگریزی اسلوب کی جمہوریت پاکستان میں پھلنے پھولنے کے لیے جن عناصر کی ضرورت تھی بدقسمتی سے کئی سال گزرنے کے بعد بھی وہ عناصر ہمیں پورے طور پر دستیاب نہ ہو سکے۔ ہمیں قائداعظم محمد علی جناح کی راہنمائی میں پاکستان تو حاصل ہوا مگر جمہوری تسلسل کے لیے سائین نہ بن سکا اور نہ ہی ہمیں دیگر پسماندہ اقوام کی مانند قائداعظم جیسے اصول پسند اور عقلمند راہنما کی راہنمائی طویل عرصے تک حاصل ہو سکی۔ اُن کی وفات کے فوری بعد لیاقت علی خان نے ملکی اقتدار کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اُن جیسا تجربہ کار اور قائداعظم کا دیرینہ ساتھی بھی غیروں کی سازشوں کی بدولیت

شہید کر دیا گیا۔ اس کے بعد حالات مسلسل دِ گر گونی کا شکار رہے۔ تاوقتیکہ ۱۹۵۶ء میں ملک میں پہلا آئین قیام کے نو سال بعد منظور کیا گیا۔ ۱۹۵۸ء میں اقتدار پر محمد ایوب خان نے قبضہ کر لیا اور یوں فوجی اقتدار کی داغ بیل پڑ گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ آنے والی حکومتوں کے سر پر فوجی حکمرنوں کا خوف سوار رہنے لگا۔ ۱۹۵۸ء کے بعد ۱۹۷۸اور پھر ۱۹۹۹ء جرنیلوں کی حکومت کے سبب وطن عزیز کی ترقی کے بے شمار مواقع ضائع کیے گئے اور یوں جمہوری عمل میں تسلسل نہ رہنے کا سبب بہتر سے بہتر طرزِ حکمرانی کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ اس دوران میں سیاسی حکمرانوں کی اپنی نالائقی، خود غرضی اور حرص اقتدار کے سبب کمزور فیصلوں نے فوجی طالع آزماؤں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ بازورِ بازو اقتدار پر قبضہ کر لیں خود غرضی، منافقت، بد عنوانی اور غلط سوچ کا عنصر صرف اقتدار کی غلام گردشوں میں ہی نہ رہا بلکہ یہ اثر رفتہ رفتہ عوامی اذہان کو بھی متاثر کرتا رہا۔ یوں قیام پاکستان کے بعد سے لے کر آج تک موجود تیسری اور چوتھی پیڑی بھی خود غرضی اور مفاد پرستی کی ایسی زنجیر کے ساتھ منسلک ہو گئی جس کی قید سے رہائی مشکل نظر آتی ہے۔ فیلڈ مارشل ایوب خان کے طویل اقتدار سے لیکر ضیاء الحق کے ۹۰ روز میں الیکشن کرانے کا جھانسا ہماری سیاسی تاریخ کے وہ سیاہ اوراق ہیں۔ جن کا ذکر بھی طبعِ نازک پر گراں گزرتا ہے۔ یہ اُسی منحوس اور نامبارک ساعت کا پھل ہے جو امروزہ حکمران طبقے کی صورت میں ہمارے اوپر سایہ فگن ہے۔

۱۹۷۱ء میں سقوط ڈھاکہ کے بعد ہمارا مشرقی بازو ہم سے الگ ہو گیا۔ لیکن اس کے باوجود اشرافیہ کو ملک بچانے اور اُسے ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کا خیال نہیں آیا۔ ۱۹۷۳ء میں وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے جذباتی تقاریر کے ذریعے عوام کے جم غفیر کو اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ لیکن خود غرضی، مفاد پرستی، اور منافقت کے جن رویوں نے ہمارے سیاسی استحکام کے ڈھانچے کو تباہ و برباد کر دیا تھا اُن رویوں سے چھٹکارا حاصل نہ ہو سکا۔ اور یکے بعد دیگرے قائم ہونے والی دو جمہوری حکومتیں کرپشن اور اقرباءپروری کے الزامات کی زد میں آکر برحاست کر دی گئیں۔

فخر زمان اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

> ۱۹۷۷ کے مارشل لا اور ذوالفقار علی بھٹو کی شہادت ہماری قومی تاریخ کے دور ایسے المیے ہیں جنہوں نے ہر طرح سے ہماری قومی زندگی کو متاثر کیا ہے۔ فکری اور تخلیقی سطح پر ان کا گہرا رد عمل ہوا ہے اور مزاحمتی ادب کے حوالے سے ایک نئی سوچ اور فکر سامنے آئی ہے۔ ہمارے ادیبوں کی اکثریت نے اپنی تاریخی ذمہ داری کو محسوس

کرتے ہوئے نہ صرف اس دورِ سیاہ کو ریکارڈ کیا ہے بلکہ اس کے خلاف اپنے ردِ عمل کا
اظہار کرتے ہوئے پاکستانی ادب کو ایک نئے شعور سے متعارف کروایا ہے۔ ۷

جمہوری عمل میں انتخابات کا ہونا ایک لازمی امر ہے اور زیادہ عرصہ فوجی حکمرانوں کے زیر تسلط رہنے کے سبب انتخابات کے عمل میں جو تعطل پیدا ہوا اُس نے سیاسی عدم استحکام قائم نہ ہونے دیا۔ دوسری جانب فوجی حکمران ہمیشہ سے اپنے نمک خوروں کو جمہوری عمل میں آگے لانے کی منصوبہ بندی کرتے ہیں اس عمل سے اقرباءپروری اور بد عنوانی فروغ پاتی چلی گئی۔

زیب النساء زیبیؔ اس پورے عمل کی شاہد رہیں۔ لہذا اقتدار کی رنگا رنگی اور بو قلمونی اُن کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ تاہم بد عنوان عناصر کے حکومت میں آنے اور کرپشن کے فروغ پانے پر اُن کا دکھ واضح نظر آتا ہے۔ یوں بھی اقرباءپروری کے ذریعے پورے ملک کے نظام کو درہم برہم کرنا اور اداروں کی تباہی زیب النساء زیبیؔ کے مزاج کے خلاف ہے۔ وہ لوگوں کے دکھ، درد محسوس کرنے کے ساتھ ساتھ اُنھیں الفاظ کا روپ دے کر اپنی تحلیل نفسی کے علاوہ اس مقصد کو پیش نظر رکھتی ہیں کہ اُن کی آواز صدا بہ صحرا بننے کے بجائے حکام بالا تک بلا روک ٹوک پہنچ جائے تاکہ لوگوں کے مسائل حکام کی علم میں آئیں۔ اور اُنھیں عوامی مسائل حل کرنے اور خدمت کرنے کا موقع میسر آئے۔ کیونکہ بعض اوقات نیک دل افراد جذبہ خدمت سے معمور ہوتے ہیں۔ مگر صحیح راستہ دکھائی نہ دینے کے سبب اُن کے وسائل بے مقصد ضائع ہو جاتے ہیں۔ موجودہ دور میں زیب النساء زیبیؔ سیاست کو خدمت اور مسائل حل کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہوئے نسل نو کو سیاستدانوں کے روپ میں موجود راہزنوں سے خبردار کرنے کا فریضہ سنبھالے ہوئے ہے اور صنفِ نازک ہونے کے باوجود طاقتور سیاست دانوں اور مرد حکمران کے اس معاشرے میں اُن کی آواز کا گونجنا اُن کی بے خوفی اور بے باکی کی علامت ہے۔

ہیں مفادات سب کو اپنے عزیز
بولتا کون ہے حمایت میں

(کلیات "کار دوام"، دل میں ہیں آپ، ص، ۱۰۴)

بعض اوقات انسان دو مختلف کیفیات کا شکار ہوتا ہے۔ وہ آگے بڑھنا چاہتا ہے مگر اپنوں سے جدائی کا غم اس کے خوف میں کمی نہیں کرنے دیتا۔ غالب و مومنؔ سے لے کر آج تک کے اُردو شعرا میں یہ رویہ چلا آرہا ہے۔ کہ دو دو متضاد کیفیات کو ایک ہی شعر میں بیان کرتے ہیں۔ یہ شعر بھی دو متضاد رویوں کے بیک وقت رد عمل پر بحث کرتا ہے۔

لبِ دریا کھڑے ہیں اور پیراکی نہیں آتی
بہا کر لے نہ جائے آپ کو پانی کا ایک ریلا

(کلیات ''کاردوام''، دل میں ہیں آپ، ص، ۱۱۳)

سائنسی اور سماجی لحاظ سے ترقی یافتہ یہ صدی ہلاکت خیزی اور قتل و غارت گری میں انسانی تاریخ میں سب سے بڑھ چکی ہے۔ ہلاکو اور چنگیز خان کے مظالم اب چھوٹے دکھائی دینے لگے ہیں۔

نام چنگیز و ہلاکو کا عبث ہے بد نام
پیدا ہر دور میں ہوتے ہیں ستانے والے

(کلیات ''کاردوام''، تیری یاد آتی ہے، ص، ۱۹۳)

یہ اہلِ زر کہ جو رازق بنے ہوئے ہیں خود
زمیں پہ رہتے ہیں، انداز آسمان کے ہیں

(کلیات ''کاردوام''، تم میرے ہو، ص، ۲۶۳)

موجودہ دور میں ترقی یافتہ انسان اپنی بدعادات اور رویوں کو خوش خلقی اور خوش مزاجی کے پردے میں چھپائے رکھنے میں مہارت رکھتا ہے۔

یہ قوم و فلک کے دشمن ، وطن کے ہیں غدار
کہ ان کے سارے ہی منصوبے بے نشان کے ہیں

(کلیات ''کاردوام''، تم میرے ہو، ص، ۲۶۳)

ہیں اقتدار میں چہرے، بدل بدل کے وہی
نہ جن کا کوئی تعلق، حسب، نسب سے ہے

(کلیات ''کاردوام''، کوئے محبوب سے ہجرت، ص، ۱۵۰۷)

یہ ایک المیہ ہے کہ کثیر جماعتی پارلیمانی نظام ہونے کے باوجود ہمارے بیشتر حکمران، خاندان وہیں ہیں جو روزِ اول سے ہماری بربادی کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ بلکہ اب تو جماعتوں کو افراد کی سیاسی تربیت کے بجائے اپنے کند ذہن اور موجودہ مسائل سے بے خبر نئی نسل کو بھی ہمارے اوپر تھوپنے کی تیاری ہو رہی ہے اور ان میں سرفہرست وہ جماعتیں ہیں جو ملک میں جمہوری اقدار کے فروغ اور عوام کو برابر کے مواقع دینے کی دعویدار ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ان حکمران خاندانوں کے علاوہ بہت سے طاقتور گروہی سربراہان، پارٹیاں یا بالفاظ دیگر،

وفاداریاں تبدیل کر کے دوسری جماعتوں میں شامل ہوتے ہیں۔اور ہر دفعہ ملک کے عوام کی کثیر تعداد کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔یوں تو اکیسویں صدی انٹرنیٹ، موبائل اور دیگر مواصلاتی ذرائع کی بے پناہ ترقی کی صدی ہے۔لیکن سوشل میڈیا کی مقبولیت نے جہاں عوام کے اندر بے پناہ خرابیاں پیدا کی ہیں وہیں اس کی مدد سے حکمرانوں کے ظلم و ستم اور مقتدر طبقے کا فریب کار چہرہ ہمارے سامنے منعکشف ہو رہا ہے۔اگر معیاری تعلیم عام ہو جائے تو جلد ہی ان خون خوار گروہی سرداروں سے چھٹکارا ممکن ہے۔تبدیلی کا عمل مواصلاتی ذرائع کے آنے کے بعد انتہائی تیز ہو چکا ہے۔جس کا مقابلہ کرنا پرانے سیاست دانوں کی بس کی بات نہیں اور یقین ہے کہ جلد ہی خوش کن نعروں سے عوام کو بہلانے والے سیاست دان نما راہزنوں سے نجات ممکن ہو سکے گی۔

لوگ بکتے رہتے ہیں چھوٹی چھوٹی راحت میں
اب کہاں صداقت ہے، ظاہری صداقت میں

(کلیات "کار دوام"، ہوں تیرے دھیان میں، ص،۸۲۶)

لیکن زیب النساء زیبیؔ کے کلام میں رجائیت اور اُمید کی کرنیں بھی نظر آتی ہیں۔وہ سمجھتی ہیں کہ بے حد آزمائشوں اور معاشی مدوجزر سے گزرنے کے باوجود پاکستان کا مستقبل تاریک نہیں ہے۔بلکہ ایک وقت ایسا بھی آنے والا ہے جب پاکستان نہ صرف مسلم دنیا بلکہ پوری دنیا میں ایک قابل قدر حیثیت کا حامل ہو گا۔

کیوں نہ ہر آتش نمرود کو گلزار کریں
رخ ہواؤں کا بدل دینے کی ہمت دی ہے

(کلیات "کار دوام"، ہوں تیرے دھیان میں، ص،۸۶۶)

یہ بات درست ہے کہ ستر برس گزر جانے کے بعد بھی پاکستان مقتدر طبقات کے ہاتھوں معاشی اور معاشرتی طور پر زوال پذیر ہے۔لیکن سیاسی معاملات میں نوجوان طبقے کی دلچسپی اس بات کا عندیہ ہے کہ اب جماعتوں کو کارکردگی دکھائے بغیر ووٹ نہیں مل سکتا۔ہمارے نوجوان طبقے کا یہ رویہ مستقبل میں نئی راہیں تلاش کرنے میں ممد و معاون ہے۔اور گزشتہ قریباً ۱۰ برسوں میں سیاست میں نوجوان طبقے کی دلچسپی بنیاد پرست اور بیمار ذہنیت رکھنے والے سیاست دانوں کے لیے انتہائی خطرے کی علامت ہے۔

زیب النساء زیبیؔ چونکہ اس امر کا خود مشاہدہ کر رہی ہیں کہ خرابی بسیار کے بعد ہی سہی ہمارے ہاں نوجوان طبقہ اپنی مزید تباہی پر آمادہ نہیں۔یہ بات بھی حقیقیت ہے کہ جدید خطوط پر تعلیم نہ ملنے کے باوجود

انٹرنیٹ اور بیرون ممالک میں سفر کے دوران ہمارے مزدور کار طبقے کا نہ صرف رجحان تبدیل ہوا ہے بلکہ سوچ میں بھی ایک واضح فرق دکھائی دینے لگا ہے۔

ایک کب ہوں گے امیر و غریب اے زیبیؔ!
سب برابر ہوں، یہی ہم تو دعا کرتے ہیں

(کلیات ''کاردوام''، تم میرے ہو، ص، ۲۷۱)

سیاست کو عوامی خدمت اور وطن عزیز کو درست سمت دینے کے بجائے مالی منفعت کے لیے استعمال کرنے والے افراد ہر گزرتے دن کے ساتھ عوام الناس کی نظروں سے گرتے چلے جارہے ہیں۔ اور یہ کمال میڈیا اور انٹرنیٹ پر دستیاب سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کا ہے۔ جنہوں نے ایک اوسط درجے کے نیم خواندہ نوجوان کو بھی موجودہ برسرِ اقتدار سیاسی راہنماؤں سے متنفر کر دیا ہے۔

لیڈرے ہیں عزت کے ہیں خون کے پیاسے
میں آئینہ ان کو دکھائے ہوئے ہوں

(کلیات ''کاردوام''، تم میرے ہو، ص، ۲۷۰)

زیب النساء زیبیؔ سیاست اور جمہوریت کے دوہرے معیار پر بات کرتے ہوئے بعض اوقات اتنی تلخ ہو جاتی ہیں۔ کہ اُن کے الفاظ کی تلخی کو تادیر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے یہ تلخی ہمیشہ سے موجود نہ تھی بلکہ زیب النساء زیبیؔ کے ذہن و دل میں برسوں کا پڑا غبار ایک تلخی کی صورت میں باہر آرہا ہے۔ سیاست دانوں کے غیر سیاسی اور مادیت پرستی پر مبنی رویوں نے عوام الناس کی اکثریت میں اپنی جڑیں مضبوط کر لی ہیں۔ اور یہ رویے اُن کی باتوں سے بھی نظر آرہے ہیں۔ یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ برسر اقتدار اور عوام کے خادم ہونے کا دعویٰ کرنے والوں نے عوام کے جذبات احساسات کے ساتھ ساتھ اعتبار اور ساکھ کو جس قدر نقصان پہنچایا ہے۔ اُس کا مداوا آسانی سے ہوتا نظر نہیں آتا۔ لہٰذا یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ جمہوریت اور سیاست کے دوہرے معیار میں لوگوں کے غم و غصے اور مایوسی کی کیفیت میں بدرجہ اضافہ ہوا ہے اور یہ کہ اپنے مخالفین کو ہر ممکن طریقے سے زیر کرنے اور اپنے سیاسی مخالفین کو اوچھے ہتھکنڈوں کے ذریعے راہ ہٹانے کی خُو بھی عوام میں آگئی ہے۔

ڈاکٹر رشید امجد اس دور کے ادب کے بارے میں لکھتے ہیں۔

۱۹۹۹ء کے مارشل لا نے خاموش اور غیر محسوس طریقے سے پاکستانی معاشرے کو اندر سے کھوکھلا کیا۔ اس دور میں لکھے جانے والے ادب میں یہ کھوکھلا پن اور اس کا دکھ

> واضح اور غیر واضح طور پر محسوس ہوتا ہے یہ بھی مزاحمت کا ایک غیر معمولی رویہ ہے جو عام مزاحمت سے مختلف ہے۔ ضیا مارشل لا کے ظاہری اور واضح جبر کے خلاف رد عمل بھی شدید اور سامنے تھا اس کے برعکس مشرف مارشل لا کا بظاہر نظر نہ آنے والا مگر باطنی سطح پر پوری طرح موجود خوف و تشدد کی فضا کا اظہار براہ راست کی بجائے زیریں سطح ہوا۔۸

پاکستان کے سیاسی حالات کو ایک طرف رکھ کر اگر دیکھا جائے تو عوام میں جہاں حکمران طبقے کی برائیاں نظر آنے لگی ہیں۔ تو دوسری جانب کچھ خوش کن تصویریں بھی سیاسی اور معاشرتی منظر نامے کو روشن کر رہی ہیں۔ اس صدی میں تعقل پسندی اور مادیت کو فروغ حاصل ہوا ہے۔ تو دوسری جانب تعلیم کے میدان میں ماضی کے رویوں کے برعکس خواتین اپنا پورا زور صرف کر رہی ہیں۔ آج سے بیس برس قبل جن شعبوں میں جانا ہماری خواتین کے لیے مشکل تھا اُس میں بہت سی خواتین بغیر کسی جھجک کے کام کر رہی ہیں اور معاشرے میں خواتین کے حوالے سے موجود تصور میں آہستہ آہستہ مثبت تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ موجودہ دور میں پاکستان کا مغربی ممالک کی طرح وقت کی کمی کے شکار ملکوں میں شمار ہوتا ہے۔ آج کا انسان مادیت پرستی میں اتنا گھر چکا ہے کہ ایک دوسرے پر ہر ممکن طریقے سے سبقت لے جانے کی کوششوں میں مشغول ہے اور اس رویے نے معاشرتی اقدار کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ ایک جانب سیاست دانوں کے منافقانہ رویے عوام کے ذہن و دل پر ایک تازیانے کی طرح برس رہے ہیں۔ تو دوسری جانب مادیت پرستی کا سیلاب انہیں اپنے ساتھ بہالے جا رہا ہے۔ یوں جمہوریت اور سائنسی ترقی کے اس دور میں پاکستان کا ترقی پذیر معاشرہ دیگر مشرقی پسماندہ معاشروں کی طرح ملی جلی کیفیات کا شکار نظر آتا ہے۔

شمیم حنفی اس صورتحال پر تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ایک طرف مادہ پرستی اور تعقل پرستی کا دور دورہ ہے دوسری طرف روحانیت اور عقل بیزاری کے میلانات ہیں جو مادہ پرست معاشروں میں خوب مقبول ہو رہے ہیں۔ ایک طرف جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کا رعب داب ہے دوسری طرف اس سے نفرت برگشتگی کا احساس عام ہوتا جاتا ہے۔ ایک طرف دنیا سمٹ رہی ہے اور ایک Global Village کا تصور ہے دوسری طرف دائیں ہاتھ کو بائیں کی خبر نہیں اور رشتے داروں اور پڑوسیوں کے بیچ بھاری فاصلے اور دوریاں ہیں۔ ایک طرف آدم زادوں کی

بھیڑ بڑھتی جاتی ہے لگتا ہے کیڑے مکوڑے ہر طرف پھیلتے جاتے ہیں۔ تو دوسری طرف یہ کہ ہر شخص تنہائی کے عذاب میں ہے۔ اپنے دل کا درد کہے تو کس سے اور کیسے کہے؟ لفظ بھی تو معنی سے محروم ہو جاتے ہیں۔۹

معاشرے کے مجموعی بدلتے رویوں کے عوام پر اثر کے بارے میں زیبیؔ کے مختلف شعری مجموعوں میں اشعار جگہ جگہ دکھائی دیتے ہیں۔ جیسے

ان لوگوں سے کیا اپنا سمجھوتا ہو
جن کی ہر اک بات میں کوئی دھوکا ہو

(کلیات ''کاردوام''، کوئے محبوب سے ہجرت، ص،۱۵۲۴)

چڑھتے سورج کی جو پوجا کرتے ہیں
کیوں نہ ان کے پاس ہی جیت کا مہرہ ہو

(کلیات ''کاردوام''، کوئے محبوب سے ہجرت، ص،۱۵۲۴)

ایک انسان دوسرے انسانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے ہمہ وقت اپنا کردار بدلنے کو تیار رہتا ہے۔ خونی اور سماجی رشتے محض کتابوں تک محدود ہو چکے ہیں آج کے دور میں سچے رشتوں کی تلاش ناممکن حد تک مشکل ہو چکی ہے۔

فن کردار بدلنے کا بھی اچھا ہے
اپنا چہرہ لیکن اصلی چہرہ ہو

(کلیات ''کاردوام''، کوئے محبوب سے ہجرت، ص،۱۵۲۴)

پیٹھ کے پیچھے کہنا، غیبت ہوتی ہے
دشمن کے بھی منہ پہ کہو جو کہنا ہو

(کلیات ''کاردوام''، کوئے محبوب سے ہجرت، ص،۱۵۲۴)

ایک اور جگہ کہتی ہیں

چالیں بدل بدل کے وہ چلتے رہے مگر
چہرے اتر گئے ہیں مرے اک جواب سے

(کلیات ''کاردوام''، کوئے محبوب سے ہجرت، ص،۱۵۲۵)

مندرجہ بالا شعر اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ عوام چہرے اور جماعتیں بدل بدل کر لوٹنے والے اصل راہزنوں کو پہچان چکے ہیں اور اب مزید اُن کے نرغے میں آنے کے لیے تیار نہیں یہ شعر اس بات کا بھی اشارہ دیتا ہے کہ کسی کو ہمیشہ کے لیے بے وقوف بنانا ممکن نہیں۔ ہمارے ملک میں موجود طبقہ اشرافیہ کے یہ ہرکارے اس بات کو سمجھ چکے ہیں کہ ٹیکنالوجی اور مواصلاتی ذرائع کے موجودہ دور میں کسی کو بے وقوف بنانا حتی الامکان ناممکن ہے۔ لیکن وہ آخری کوششوں کے طور پر ہمیشہ کی طرح عوام سے توقع لگائے بیٹھے ہیں۔

رہتا ہے جو زندگی بھر ہیرا پھیری میں اسیر
سازشیں کرنے میں اُس انسان کا ثانی کہاں

(کلیات ''کاردوام''، ہوں تیرے دھیان میں، ص، ۱۵۴۱)

کیا غضب ہے حضرتِ انسان کے پیشِ نظر
طمع ہے زیبیؔ فروغِ نوعِ انسانی کہاں

(کلیات ''کاردوام''، ہوں تیرے دھیان میں، ص، ۱۵۴۱)

بظاہر ایک دوسرے سے مل رہے ہیں آج بھی
مگر دلوں کا ربط اب کہاں رہا، دلوں کے ساتھ

(کلیات ''کاردوام''، ہوں تیرے دھیان میں، ص، ۱۵۳۹)

ہمارا معاشرہ تیزی سے تبدیل ہو رہا ہے خونی اور معاشرتی رشتے بظاہر اُسی طرح قائم ہیں مگر اُن میں خلوص ختم ہو چکا ہے۔ رشتہ دار اور پڑوسی بظاہر ایک دوسرے سے مل رہے ہیں مگر رشتوں میں موجود خلوص کی مٹھاس جا چکی ہے اور لوگ کھوکھلے رویوں کے ساتھ ایک بے ربط معاشرے میں سانس لے رہے ہیں۔

یہ مرے عہد کا کمال ہنر
لفظ پیتل کے بھاؤ سونے کا

(کلیات ''کاردوام''، ہوں تیرے دھیان میں، ص، ۱۵۴۶)

یہ بات تاریخی طور پر عیاں ہے کہ غزل ہر دور میں اُس وقت کے نمایاں موضوعات کو بیان کرتی ہے۔ قیام پاکستان سے لے کر موجودہ دور تک پاکستانی غزل ہر نمایاں موضوع کو بیان کرتی رہی ہے۔ پاکستانی معاشرے سے وابستہ سیاسی اور سماجی موضوعات غزل میں سمیٹنے میں اپنی بہترین صلاحیت کا مظاہرہ کیا ہے۔

اس حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا کہتے ہیں۔

> کسی زمانے میں ترقی پسند ادبا کا یہ خیال تھا کہ غزل بورژوائی مزاج کی حامل ہے۔ بعض کا خیال تھا کہ اس صنف سخن کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ حالانکہ غزل ایک کافر صنف سخن ہے اور ہر زمانے کی راکھ سے دوبارہ طلوع ہو جاتی ہے۔ مثلاً پچھلے چالیس سالوں میں اردو غزل نے تین واضح کروٹیں لی ہیں اور ہر بار ایک انوکھی تخلیقی توانائی کا مظاہرہ کرتی ہے۔۱۰

مجموعی طور پر زیب النساء زیبی کی غزل کا کینوس سیاسی موضوعات کے لحاظ سے ۱۹۸۰ء کی دہائی سے لیکر موجودہ دور تک کا احاطہ کرتا ہے۔ یہی وہ پرآشوب دور ہے جب مشرقی پاکستان الگ ہونے کے بعد ۱۹۷۳ء میں بننے والی پہلی آئینی حکومت کو جنرل ضیاء الحق نے شب خوں مار کر ختم کر دیا۔ کہیں زیب النساء زیبی برے معاشرتی اور سیاسی مسائل کا نوحہ بیان کرتی ہیں۔ سیاست اور جمہوریت کے منفاقانہ اور دوہرے کردار پر خامہ سرائی کرتی ہے تو کہیں کہیں اُمید اور رجائیت کی کرنیں اُن کے شعروں سے طلوع ہوتی نظر آتی ہیں۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اُن کی غزل میں موجود اُن کی سیاسی پیش بینی اُن کی حکیمانہ نظر اور سیاست دانوں کے روپ میں موجود راہزنوں کا بخوبی احاطہ اُن کی غزل کے توسط سے کیا جا سکتا ہے۔ غزل کا یہ وسیلہ اُن کے سیاسی سوچ اور عوام سے اُن کی وابستگی کو بخوبی بیان کرتا ہے۔

المختصر زیبی کی غزل میں سیاسی موضوعات انوکھے نہیں مگر اُن کے بیان کرنے کا انداز منفرد اور سبق آموز ضرور ہے۔

۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد نو سال کی تحویل مدت کے بعد ۱۹۵۶ء پہلا آئین بنا۔ اس عرصے تک آئین نہ بننے کی وجہ سے غیر جمہوری قوتوں کی حوصلہ افزائی ہوئی اور پہلا آئین بننے کے دو سال بعد ہی ٹوٹ گیا اس کے بعد ۱۹۵۹ء میں ایوب خان کی سرگردگی میں صدارتی طرز کا آئین بنا۔ جو ۱۹۷۱ء میں پاکستان کی حادثاتی تقسیم کی وجہ سے کار گر نہ رہا۔ ۱۹۷۳ء میں نیا آئین بنایا گیا جو ترامیم کے باوجود آج تک قائم ہے۔ اس آئین کی رو سے تمام ریاستی اکائیوں کے فرائض حقوق اور حصوں کا تعین کیا گیا ہے۔ اُن کی ضرورت کے موافق اس میں بہت سی ترامیم کی گئیں ہیں۔ ضیاء دور کے بعد آنے والی دو حکومتوں نے عوامی رائے اور خواہشات کو پورا کرنے میں ناکامی کا ثبوت دیا۔ نئی صدی کی آمد پاکستانیوں کے لیے بالخصوص اور بقیہ دنیا کے لیے بالعموم اچھی ثابت نہ ہوئی۔ ۲۰۰۱ء میں ہی وہ واقعہ رونما ہوا جس نے پاکستان میں تہذیب و تمدن، اخلاقیات اور معاشرت کی بہت ساری

اقدار ختم کر ڈالیں۔ نئی صدی کی مادیت پرستی اور مصنوعی زندگی کی کوشش گزشتہ صدی سے کہیں زیادہ بھیانک تھی۔ زیب النساء زیبیؔ کا کلام ضیاء الحق کے سیاہ دور سے لیکر افغان مہاجرین کی آمد اور ملک میں اسلحے اور منشیات کی بھرمار جمہوری حکومتوں کی نالائقی تک سب کا احاطہ کرتا ہے۔

بحیثیت مجموعی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اپنے قیام سے لے کر موجودہ دور تک پاکستان بہت کم عرصہ سیاسی و سماجی و معاشی استحکام کا حامل رہا ہے۔ بھارت نے اپنے قیام کے فوراً بعد آئین کو ترتیب دے دیا مگر ہمارا ملک ۱۹۵۶ء تک آئین کے بغیر رہا۔ اگرچہ قرار دادِ مقاصد منظور ہو چکی تھی مگر اسے آئین میں بدلنے میں ۹ سال کا عرصہ لگا۔ پہلا آئین بمشکل دو سے اڑھائی برس قائم رہا۔ جب ۱۹۵۹ء میں فیلڈ مارشل ایوب خان نے اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد نئے آئین کا اجراء کیا۔ یہ آئین صدارتی طرز کا تھا۔ جس میں زیادہ تر اختیارات فردِ واحد یعنی صدرِ مملکت کی ذات میں مرتکز کر دیے گئے۔ اختیارات کا یہ ارتکاز ملکی سالمیت کے لیے نہایت مضر ثابت ہوا۔ جب ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش ہم سے الگ ہو گیا ملک ٹوٹنے کے بعد بھی ہمارے سیاسی اور سماجی مقتدر لوگوں کو ہوش نہ آیا اور آج تک پاکستان شدید سیاسی عدم استحکام کا شکار ہے۔ مارشل لاء اور سیاسی و صدارتی جمہورتیوں کے ادوار میں عوام ذہنی و معاشی لحاظ سے زبردست کشمکش کا شکار رہے ہیں اور کسی حد تک نالائق حکمرانوں کے شاکی بھی رہے ہیں۔ زیب النساء زیبیؔ نے ۷۰ کی دہائی میں ادب نگاری کا آغاز کیا۔ افسانہ، غزل اور نظم کی بیشتر اصناف میں اُن کا کلام پاکستانی عوام کی ناآسودہ خواہشات کا ترجمان ہے۔ مغربی ممالک کے اسفار اور ملک کے مختلف علاقوں کے سیاسی و سماجی منظر نامے سے آگاہی نے اُن کی سوچ کو بہت زیادہ وسعت دی ہے۔

جمہوریت کے نام پر ہونے والے بدترین مذاق نے انھیں دل برداشتہ کر دیا ہے وہ بدعنوان اور بداخلاق سیاست دانوں کی عیش پرستانہ زندگی کو دیکھ کر آزردہ نظر آتی ہیں۔ وہ اہل سیاست اور پاکستانی سیاست سے اس قدر نالاں ہیں کہ اُس پر انگشت نمائی کرنا بھی انھیں برا لگتا ہے۔ مگر باوجود ضبط کے اُن کے اندر کی حساس شاعرہ، عوام سے کیے گئے دل فریب وعدوں کی پامالی پر چیخ پڑتی ہیں۔ لیکن اُن کے چیخنے میں ایک وقار اور دبدبہ دکھائی دیتا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مذہب، ملت سے قطع نظر تمام انسانوں کے دکھ کو واضح کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ گزشتہ چار عشروں کے دوران پاکستان سے کہیں زیادہ پیچھے اور ترقی پذیر ممالک برق رفتاری سے ترقی کی منزلیں طے کرتے ہوئے ترقی یافتہ ممالک میں شامل ہو چکے ہیں۔ اس کے برعکس پاکستان کی ترقی معکوس سمت میں جاری ہے اور ہر گزرتا دن پاکستانی عوام کے تکلیفوں میں اضافہ کرتا جا رہا ہے۔ سیاسی عدم استحکام کے باوجود نشر و اشاعت اور مواصلات کے نظام کی ترقی نے اہل سیاست سے عوام کی نفرت میں اضافہ کر دیا ہے۔ عوام پہلے

سے کہیں زیادہ باشعور ہیں۔ سیاسی جماعتوں کو اپنی گرفت مضبوط رکھنے میں شدید مشکل کا سامنا ہے۔ انٹرنیٹ اور عوامی رابطوں کے ذرائع کی ترقی نے غیر محسوس طور پر پاکستانی معاشرے کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ یہ ذرائع اس قدر رنگین ہیں کہ انھوں نے نیم خواندہ اذہان کو بھی اپنی رنگینی سے مسحور کر رکھا ہے۔ پاکستان کا موجودہ سیاسی منظر نامہ خوفناک سیاسی و معاشی مستقبل کی منظر کشی کر رہا ہے۔ بڑھتی آبادی اور امیر و غریب میں حائل ہوتی معاشی خلیج اور ہوس زر نے پاکستانی معارے میں دراڑیں ڈال دی ہیں۔ اندیشہ ہے کہ ہمارا معاشرہ مسلسل دباؤ برداشت نہ کرتے ہوئے ہمیشہ کے لیے تلپٹ ہو جائے۔

زیب النساء زیبیؔ کے نزدیک یہ صورتحال کسی طور بھی قابل قبول نہیں۔ مگر وہ بساط بھر کوشش کرتے ہوئے اس گلے سڑے سیاسی نظام کے خلاف صدائے احتجاج بلند کئے ہوئے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اُن کے انداز میں خطابت کے بجائے نشتر چبھنے کی سی کیفیت پائی جاتی ہے۔ اُن کے انداز میں بیدار کرنے والے جرس کی کیفیت بھی نمایاں نظر آتی ہے۔ ۱۹۷۰ء کے عشرے سے سیاست اور اہل سیاست پر شاعری کرنے والی گنی چنی شاعرات میں زیب النساء زیبیؔ کا نام نمایاں ہے۔ اُن کے اشعار سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ اُن کا شعر کس دور میں کہا گیا ہے۔ ہر دور میں زیب النساء زیبیؔ نے اُس دور کی ادبی روش کے مطابق شعر کہے ہیں۔ مگر اس کے باوجود اُن کے فنی جواہر اور بے داغ سیاسی تبصروں نے انھیں سیاسی اشعار کہنے والی شاعرات کے جھرمٹ میں ایک روشن اور تابندہ ستارے کی مانند زندہ رکھا ہوا ہے۔

زیب النساء زیبیؔ کے کلام میں رجائیت اور اُمید کی کرنیں بھی نظر آتی ہیں اُن کا خیال ہے کہ بہت زیادہ آزمائشوں اور معاشی و سیاسی مدوجزر سے گزرنے کے باوجود پاکستان کا مستقبل تاریک نہیں ہے۔ بلکہ ایک وقت ایسا بھی آنے والا ہے جب پاکستان نا صرف مسلم بلکہ پوری دنیا میں قابل قدر حیثیت کا حامل ہو گا۔ پاکستان کے سیاسی حالات کو ایک طرف رکھ کر اگر دیکھا جائے تو عوام میں جہاں حکمران طبقے کی برائیاں نظر آتی ہیں تو کچھ خوش کن تصویریں بھی سیاسی و معاشرتی منظر نامے کو روشن کر رہی ہیں۔ اس صدی میں تعقل پسندی اور رومانیت کو فروغ حاصل ہوا ہے اور پاکستان میں تعلیم کے میدان میں خواتین ماضی کے رویوں کے برعکس اپنا پورا زور صرف کر رہی ہیں۔ آج سے دو عشرے قبل جن شعبوں میں جانا ہماری خواتین کے لیے مشکل تھا۔ آب اُنھی میدانوں میں ہماری خواتین بے جھجک کام کر رہی ہیں۔ معاشرے کے بدلتے رویوں کے عوام پر اثر کے بارے میں زیبیؔ کے مختلف شعری مجموعوں میں اشعار جگہ جگہ دکھائی دیتے ہیں۔

پاکستان کی سیاست ۱۹۸۰ء تا موجودہ دور تمام موضوعات کسی نہ کسی صورت زیب النساء زیبی کی غزل میں دکھائی دیتے ہیں زیب النساء زیبی نے اپنے بعد اور ہم عصر ادیبوں کے لیے قابل قدر اور قابل تقلید روایات چھوڑی ہیں۔ جن کی پابندی ہی میں انسانیت کی معراج ہے۔

حوالہ جات

۱۔ بشیر سیفی، ڈاکٹر ''تنقیدی مطالعے '' نذیر سنز لاہور، ۱۹۹۶، ص ۵۲

۲۔ منیر نیازی، پیش لفظ، اُردو غزل کا انتخاب، اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۷۹، ص ۱۳

۳۔ شہزاد منظر، پاکستان میں اُردو افسانے کے پچاس سال، جامعہ کراچی، ۱۹۹۷، ص ۱۲۶

۴۔ روبینہ شہناز، ڈاکٹر، اُردو تنقید میں پاکستانی تصور و قومیت، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، ۲۰۰۷، ص ۱۲۵

۵۔ رشید امجد، ڈاکٹر، پاکستانی ادب: رویے اور رجحانات، پورب اکادمی، ۲۰۱۰، ص ۵۷

۶۔ اشفاق احمد ورک، ڈاکٹر، ''غزل آباد'' بیت الحکمت، لاہور، ۲۰۰۶، ص ۱۰

۷۔ فخر زمان، ابتدائیہ ''مزاحمتی ادب'' ، مرتبہ: رشید امجد، ڈاکٹر، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۹، ص ۱۷

۸۔ رشید امجد، ڈاکٹر، پاکستانی ادب: رویے اور رجحانات، پورب اکادمی، ۲۰۱۰، ص ۷۷

۹۔ شمیم حنفی، ''خیال کی مسافت ''فضلی سنز لمٹیڈ، کراچی، ص ۸، س۔ن

۱۰۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، ''مکالمات'' وزیر آغا سے''، مرتبہ: ڈاکٹر انور سدید، مکتبہ فکر و خیال لاہور، ۱۹۹۱، ص ۱۰۰

باب پنجم

ماحصل

زیب النساء زیبیؔ جن کا ادبی سفر ۱۹۷۰ء کی دہائی سے ہوتا ہے۔ آج کے انتہائی قدآور شاعرات میں سے ایک ہے۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی سے اب تک اُن کے کئی شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ وہ کوئی گھریلو خاتون نہیں بلکہ سندھ کی صوبائی حکومت میں بطور انفارمشن آفیسر ریٹائرڈ ہوئیں اُن کے ادبی کارنامے اس قدر گوناگوں ہیں کہ انھیں بلا مبالغہ ایک اولولفرم خاتون کہا جا سکتا ہے۔ جس نے ازدواجی زندگی اور پیشہ ورانہ زندگی کے ساتھ ساتھ ادبی سرگرمیوں کو نا صرف جاری رکھا بلکہ اس دوران حاصل ہونے تجربات اور عواقب کو صفحہ قرطاس پر اتارنے میں کوئی کنجوسی نہیں کی۔ یہ بات البتہ کہی جا سکتی ہے کہ اُن کے تجربات اور ادبی کینوس کو وسیع کرنے میں اُن کی پیشہ ورانہ اور ادبی زندگی کا بہت زیادہ عمل دخل ہے۔ کیونکہ ایک افسر اور دوسری جانب ایک سگھڑ خاتون خانہ کے طور پر اُن کی ذمہ داریوں نے انھیں متوازن زندگی گزارنے میں بہت مدد کی یہ تمام تجربات کھل کر اُن کی شاعری میں واضح ہوئے ہیں یوں تو آج کل میڈیا اور انٹرنیٹ کی آزادیوں نے عام آدمی کو بھی پاکستان میں موجود مسائل سے پوری طرح باخبر کر دیا ہے مگر زیب النساء زیبیؔ ایک شاعرہ و ادیب مزاح نگار اور کالم نویس کے طور پر عام آدمی کی نسبت کہیں زیادہ شعور رکھنے والی شخصیت ہیں۔ زیب النساز یبیؔ کی ادبی زندگی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے کسی نظریے اور فرقے و مسلک سے وابستہ ہوئے بغیر عام انسان کے مادی و جذباتی مسائل کو اُس طرح بیان کیا ہے کہ اُن کی بات سب کو اپنی بات لگی ہے اور شہرت عام کے حصول کے لیے کسی بھی شاعری میں اجنبیت کے بجائے اس طرح کی اپنائیت ایک لازمی امر ہے۔

زیب النساء زیبیؔ تمام سیاسی و سماجی مکتبہ ہائے فکر میں یکساں مقبول ہیں۔ کیونکہ اُن کی شاعری کا کینوس اُن تمام مسائل اور احساسات کا ترجمان ہے جو انسانی زندگی سے وابستہ ہیں اُن کا ادبی سفر ہنوز جاری و ساری ہے بیشتر خانگی ذمہ داریوں سے فراغت ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد اُن کے قلم کی جولانی میں بہت اضافہ ہو چکا ہے زیب النساء زیبیؔ نے اپنے شعری سفر میں معاشرے اور انسانی جبلت میں موجود خواہشات اور جذبات سمیت تمام موضوعات بحسن و خوبی ادا کیے ہیں۔ زیب النساء زیبیؔ شعری حوالے سے آج کل ایک مضبوط اور قابل رشک حوالہ بن چکی ہیں۔ اُن کی ادبی خدمات کے ساتھ ساتھ صحافتی خدمات بھی کسی صحافی سے کم نہیں ہیں۔ نامور جریدوں میں اُن کے کالم اور ادب و صحافت پر مبنی تحریریں وقتاً فوقتاً چھپتی رہتی ہیں ایک ماں، ایک

ملازمت پیشہ خاتون، ایک بیوی اور ساس کے طور پر تمام رشتے بہت اچھی طرح نبھا رہی ہیں اولاد کی پرورش کے ساتھ ساتھ ادبی سفر کا جاری رکھنا اُن کے جیسی بلند ارادہ خاتون کے لیے مشکل کام نہیں۔ اپنے اسی بلند ارادے اور محنت کی بدولت پاکستان اور ملک میں موجود کئی دیگر اداروں سے حسن و کارکردگی سمیت کئی ایورڈ اور انعامات اپنے نام کر چکی ہیں اُن کی ادبی زندگی کا دائرہ شاعری سے مضمون نویسی، افسانہ نگاری، تحقیق و تنقید اور تراجم تک پھیلا ہوا ہے۔

غزل فارسی کی ہو یا اُردو کی یا کسی اور زبان کی اس کے اوزان میں ابتدا سے آج تک سر مو فرق نہیں آیا البتہ حیرت انگیز بات یہ ہے زندگی کا عشقیہ پہلو ہو، جذبات کا، معیشت کا، معاشرت کا، یا کسی نظریے کی ترویج کا مسلہ پیش آئے غزل نے ہمیشہ اُس موضوع کے ساتھ انصاف برتنے کی پوری کوشش کی یہ کہا جاسکتا ہے کہ غزل اُردو کی ایسی صنفِ ادب ہے جو ہر دور میں اُس کے تقاضوں کے مطابق مضمون اپنانے میں بخل سے کام نہیں لیتی رہی۔ ۱۹۵۰ کی دہائی کے بعد بہت سارے شعراء نے اس کی شعری ضابطوں سے تنگ آکر آزاد غزل کہنے کی کوشش کی۔ اور اس کے نمونے بھی اُس وقت کے ادبی رسالوں میں بکثرت دکھائی دیتے ہیں۔ آزاد غزل کہنے کا یہ رواج تین دہائیوں پر محیط رہا۔ مگر بلاآخر آزاد غزل کہنے کا یہ رجحان ٹوٹتا چلا گیا اور غزل میں ضوابط کی پابندی کا رجحان دوبارہ لوٹ آیا۔ کلیم الدین احمد نے اپنی تنقیدی تصانیف میں غزل نے منضبط اور یکساں سانچے کے اوپر انتہائی سخت تنقید کی ہے۔ اور اسے وحشی صنف سخن سے تعبیر کیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اتنے سخت سانچے کے باوجود غزل کو اپنانے میں انتہائی نرمی اور کھلے پن کا مظاہرہ کیا غزل نے وہ تمام موضوعات کو اپنانے میں انتہائی نرمی اور کھلے پن کا مظاہرہ کیا غزل میں وہ تمام موضوعات بکثرت نظر آتے ہیں جن کا تعلق معاشرے کے کسی بھی پہلو سے ہو در حقیقت غزل کا انتہائی سخت سانچا ہی اُس کا حیات کا نیادی پہلو ہے کیونکہ اس سانچے کی وجہ سے وہ نہ صرف مقبول ہے بلکہ ہر موضوع کو اپنانے کے لیے اُسے اپنے سانچے میں کسی بھی تبدیلی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی شاعر غزل میں جگہ کی تنگی سے خائف ہے تو اُس کو بات کرنے کے لیے نظم، رباعی اور مثنوی سمیت تمام دیگر اصناف سخن موجود ہیں۔ جن سے استفادہ کر کے وہ اپنے مطلب کو بیان کر سکتا ہے۔ جب ہم اردو غزل کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں غزل کے موضوعات بھی روایتی تھے۔ غزل کے موضوعات میں تبدیلی انیسویں صدی میں رونما ہوئی جب انگریزوں نے ہندوستان اور ہندوستان کے لوگوں پر قبضہ جما لیا اور ان کی تقدیر کے مالک بن بیٹھے۔ چونکہ غزل میں بات کو خفیہ اور اشارے کی زبان میں بیان کرنے کا ہنر بوقت ضرورت ایجاد کر لیا گیا تھا۔ لہٰذا جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد جب

انگریزوں نے صورتحال کا تجزیہ کیا تو انھیں دیگر عوامل کے ساتھ ساتھ غزل کی اس خصوصیت کا بھی علم ہوا کہ غزل کی زبان میں کوئی شخص اپنے رہبروں کو اطلاع پہنچا سکتا ہے۔ غزل کا روایتی ڈھانچہ وہی رہا جو اب تک قائم ہے مگر موضوعات کے تنوع کی وجہ سے غزل نے اب تک اپنا مقام و مرتبہ قائم رکھا ہے۔ ۱۹۴۷ء سے قبل ترقی پسند تحریک اپنے پورے جوبن پر تھی اور غزل میں احساسات کی شاعری کرنے والے شاعر دفاعی حالت میں آچکے تھے مگر پاکستان بننے کے بعد ناصر کاظمی، محسن نقوی، مصطفیٰ زیدی اور ایسے بہت سارے شاعر آئے جنھوں نے غزل کو تقویت دینے کے ساتھ ساتھ اُسی مقام و مرتبے سے سرفراز کیا جیسے ایک وقت نے دھندلا دیا تھا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ٹیکنالوجی میں ترقی کے ساتھ تھیٹر کے ساتھ ساتھ فلم سازی اور فلم بینی نے بھی خاصی ترقی کی تھی۔ لہٰذا فلموں میں عشقیہ غزلوں سمیت دیگر اقسام کی شاعری نے غزلوں کو اپنے مقام و مرتبے سے گرنے سے محفوظ رکھا۔ غزل میں عروج کا یہ رویہ دو عشرے تک موجود رہا۔ تاوقتیکہ فیض احمد فیضؔ اور فرازؔ جیسے ترقی پسند شعراء نے نظم کو مقبولیت عطا کر دی مگر اس کے ساتھ ساتھ غزل نویسی بھی جاری ہی ۱۹۵۰ سے لے کر ۱۹۹۰ تک غزل کے سخت اور منضبط ڈھانچے سے گھبرا کر چند گمنام اور ناعاقبت اندیش شعرا نے غزل کی آزاد صنف کو متعارف کروانے کی کوشش کی مگر جلد ہی یہ کوشش ناکامی سے دوچار ہو گئی۔ آزاد غزل نے اپنے وقت میں کافی غلغلہ پیدا کیا مگر اُن شعرا کی یہ کوششیں نقش پر آب ثابت ہوئیں اور غزل نے اپنا پرانا اسلوب برقرار رکھتے ہوئے ترقی کرنا شروع کر دی۔ ۱۹۵۹ میں پہلے مارشل لا اور ۱۹۷۷ میں دوسرے مارشل لا کے دوران اُردو غزل میں علامتیت اُسی طرح دھر آئی جیسی علامت نگاری اُردو کے دیگر اصناف ادب میں موجود تھی ۱۹۹۰ سے لے کر ۲۰۰۰ تک کے موضوعات اُردو غزل میں علامتیت کے ساتھ ساتھ بے قراری اور بے چینی کا ذائقہ لیے ہوئے ہے۔

غزل میں یہ تمام موضوعات بڑی صراحت کے ساتھ شامل ہیں زیب النساء زیبیؔ نے احتیاط اور تہذیب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان تمام موضوعات کے ساتھ انصاف کرنے کی پوری کوشش کی۔ جہاں خوشیاں اُن کے شعروں میں نظر آتی ہیں۔ تو غربت اور مفلسی کے مسائل اُن کی غزل سے ہویدا ہیں ایک طرف تعلیمی حالت اور پاکستانی عوام کی جہالت کا رونا دھونا ہے تو دوسری طرف بڑھتی آبادی کا شور و غل مساوات کی پامالی پر اپنی غزلوں میں زیب النساء زیبیؔ سراپا احتجاج دکھائی دیتی ہیں۔ عشق کا موضوع زیب النساء زیبیؔ کے لیے شجر ممنوعہ نہیں مگر عشق کے جذبات کو دنیاوی مسائل کے ساتھ ہم آہنگ کر کے زیب النساء زیبیؔ نے انسانی شخصیت کا ایک خوبصورت اور مکمل نقشہ پیش کیا ہے۔ شخصیت کے اس نقشے میں جہاں دکھوں نے انسان کے چہرے کو

مضمحل اور گرد آلودہ کر رکھا ہے تو دوسری جانب چند کامیابیوں کی وجہ سے اُس کے چہرے سے خوشی کے آثار بھی دکھائی دیتے ہیں زیب النساء زیبیؔ کے ہاں عشق صرف مجازی و حقیقی نہیں بلکہ انسانیت اور اس سے وابستہ رشتوں کو نبھانا ہی عشق کی اصل معراج ہے۔ وہ ایک صاحب اولاد خاتون ہیں لہذا ان تمام جذبوں سے گزر چکی ہیں جن کا پالا ایک عام انسان کو کرنا پڑتا ہے۔ عشق کی رنگا رنگی کہیں اولاد کی محبت میں کہیں گھر گھر ہستی کی محبت، کہیں محبوب اور کہیں اللہ اور رسولؐ کے عشق میں۔ زیب النساء زیبیؔ کی شاعری میں دکھائی دیتی ہے۔

تقسیم برصغیر دنیا کی تاریک میں رونما ہونے والی عظیم ترین ہجرتوں میں سے ایک ہجرت کہلائی جاسکتی ہے۔ یہ اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اس ہجرت میں مذہب بنیادی نقطہ تھا۔ مذہب کی بنیاد پر ہونے والی ہجرتوں میں ہجرت حبشہ، ہجرت مدینہ المنورہ اور برصغیر کی یہ ہجرت نمایاں حیثیت کی حامل ہے۔ البتہ برصغیر میں ہونے والی یہ ہجرت پہلے بیان کردہ دو ہجرتوں سے اس طرح سے مختلف ہے کہ اس ہجرت میں بے پناہ قتل و غارت گری اور لوٹ مار بھی شامل ہے۔ یہ قتل و غارت گری اور لوٹ مار اس قدر بھیانک اور دِلوں کو لرزا دینے والی تھی کہ ۱۹۴۷ء کے بعد کی کم و بیش تین دہائیوں کی خبروں اور ادب میں اس کو اہم مقام حاصل رہا۔ اس عظیم ہجرت کے بعد قائد اعظم محمد علی جناح کی سرکردگی میں پاکستانی قوم نے ایک نئے ولولے اور جذبے کے ساتھ وطن عزیز کی تعمیر و ترقی میں حصہ لیا۔ البتہ ایک سال بعد ہی اُن کی وفات نے پاکستان کو قیادت کے ایک عظیم بحران سے دوچار کر دیا۔ یکے بعد دیگرے آنے والے حکمران مالی طور پر بددیانت نہ ہونے کے باوجود اقتدار سے چمٹے رہنے کے خواہش مند تھے اور جمہور کی آزادی پر اپنی رائے کو زیادہ اہمیت دیتے تھے یہ صورتحال ایوب خان کے دور حکومت میں اس نہج کو پہنچ گئی اُن کے اقتدار سے الگ ہوتے ہی ۱۹۷۱ء میں سقوط ڈھاکہ کا عظیم ترین حادثہ پیش آیا اس حادثے نے قومیت کے جذبوں کو کمزور کر دیا اور بے یقینی کی کیفیت ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھنے لگی۔ ۱۹۷۷ء میں جنرل ضیاء الحق نے دوسرے مارشل لاء کا نفاذ کیا۔ ۱۹۷۷ء یا یوں کہیے کہ ۷۰ اور ۸۰ کی دہائی میں شاعری کا آغاز کرنے والے پیشتر شاعروں اور شاعرات کے ذہن میں یہ پس منظر ہمیشہ سے موجود رہا ہے کہ کس طرح اس وطن کو حاصل کیا گیا۔ اور کس بے دردی سے اُن مواقع کو ضائع کیا گیا جن کی بدولت اس خوبصورت وطن کو چار چاند لگائے جا سکتے تھے۔ بے یقینی کی کیفیت، حال سے بے زاری، ترقی پسندی اور سرمایہ داری کی طاقتوں میں کشمکش لسانی اور علاقائی بنیادوں پر غربت اور اس قسم کے دیگر مسائل زیب النساء زیبیؔ کی غزل میں نظر آتے ہیں۔ یہ موضوعات نظریے اور ذہنی پس منظر کے مطابق تمام شعرا کے کلام میں جابجا دکھائی دیتے ہیں۔ مگر زیب النساء زیبیؔ نے کسی خاص مکتبہ فکر سے وابستہ ہوئے بغیر سادہ الفاظ میں دل کی

بات اتنے قرینے سے کہی ہے کہ اُن کے یہ الفاظ ہر کسی کو اپنے الفاظ محسوس ہوتے ہیں نئی صدی اپنے ساتھ نئے مسائل لے کر آئی جن میں بدامنی، دہشت گردی، قتل وغارت گری احساس کی کمی، تفرقہ بندی، بھوک، آبادی کے مسائل اور مذہبی تفرقہ بندی ایسے مسائل تھے جن سے نمٹنے کے لیے انتہائی باہوش اور بیدار مغز قیادت کی ضرورت تھی۔ قیادت کے مسئلے سے دوچار پاکستان میں اس طرح کے کوئی چانسز نہ تھے۔ جس کی وجہ سے پاکستان رفتہ رفتہ اُن مسائل میں گرتا چلا گیا جن کا واسطہ اس سے قبل پاکستان کو نہ تھا یہ کہنا حق بجانب ہو گا کہ پاکستان ایک طرف ان مسائل سے نبرد آزما ہونے کی کوشش کر رہا ہے تو دوسری جانب قیادت کے شدید ترین بحران میں بھی مبتلا ہے۔

زیب النساء زیبیؔ چونکہ حکومت سندھ میں ایک اہم عہدے پر کام کرتی رہی ہیں لہذا سندھ کے مختلف شہروں سمیت دیہاتوں اور گوٹھوں میں اُن کے تجربے کو چیلنج کرنے کا کسی کو حوصلہ نہیں پڑتا اور یوں زیب النساء زیبیؔ کے کلام میں حقیقت کی وہ سختی جھلکنے لگتی ہے جس نے اُسے مقبول عام شاعرہ کی حیثیت سے نواز دیا ہے۔ زنانہ مسائل صرف طلاق، زمینوں کے جھگڑے اور دیگر مسائل تک ہی محدود نہیں بلکہ عورت انسانی آبادی کا لازمی جزو ہونے کی وجہ سے ہمیشہ سے ظلم و جبر کا شکار رہی ہے۔ برصغیر جیسے معاشرے جہاں تقسیم سے قبل ہندو اکثریت آباد رہی پاکستانی تہذیب و ثقافت پر نہ صرف ہندووانہ رسوم و رواج کے گہرے اثرات رہے ہیں بلکہ عورت فقط نسل کشی کے ایک آلہ کے طور پر استعمال کی جاتی رہی ہے۔ ان تمام امور پر دکھ زیب النساء زیبیؔ کے کلام کا مرکزی نقطہ رہا ہے۔ کیونکہ شاعر اور ادیب آج کل کے دور میں وہی ہوتا ہے جو نا صرف اپنے عصری مسائل سے باخبر ہو بلکہ اُن پر بے باکانہ رائے دینے کا حق بھی محفوظ رکھتا ہو۔ تاکہ معاشرے میں اٹھتی ان کمزور آوازوں کو ایک طاقتور ہمنوا مل سکے اور یوں اُن مسائل کا ادراک ہو سکے جس سے معاشرے کے مردوں نے ایک عرصہ دراز سے نظرانداز کر رکھا ہے۔ بے روزگاری اور فنی تعلیم نہ ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ تعلیم یافتہ مردوں نے عورتوں کا مزید استحصال شروع کر دیا۔ زیب النساء زیبیؔ کے کلام میں جذبات کو احساسات کے ساتھ ساتھ خانگی مسائل اور مادی مشکلات کا بیان بھی ساتھ ساتھ نظر آتا ہے۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ بے روزگاری کی وجہ سے تعلیم یافتہ طبقہ انتہائی بے بسی کا شکار ہے اور جرائم کی طرف مائل بھی۔ ایسی صورت میں لوگوں کا دلبرداشتہ ہونا قرینہ از قیاس ہے۔ مگر ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو محنت و مزدوری اور سخت کوشی کو باعث عار نہیں سمجھتے۔ ایسے لوگ جب حرام راستوں سے کسی ثروت مند کو سیڑھیاں چڑھتے دیکھتے ہیں تو اُن کے لیے اپنی ایمانداری پر قائم رہنا ایک امر محال بن جاتا ہے زیب النساء زیبیؔ جاگیردار اور سرمایہ دار طبقے کے

ہاتھوں طبقہ مزدور کی حالتِ زار سے بے خبر نہیں اور بیشتر اشعار اُن کے حالات زندگی پر نوحہ کناں نظر آتے ہیں۔

قیام پاکستان کے ایک سال بعد ستمبر ۱۹۴۸ء میں قائد اعظمؒ کی وفات ہو گئی اور ملک جسے آئین سازی کا ایک عظیم کام درپیش تھا ابتدا ہی میں خلل کا شکار ہو گیا۔ اُن کے بعد آنے والے دیگر قومی رہنماؤں نے آئین سازی کی جانب کوئی توجہ نہ کی اور ۱۹۵۸ تک وطن عزیز بغیر آئین کے انگریزوں کے بنائے گئے قوانین پر عمل پیرا رہا۔ ان قوانین میں جن سے استفادہ کیا گیا اُن میں ۱۹۳۵۔۳۶ کا ایکٹ بہت زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ جس کے تحت انتخابات کروائے گئے پاکستان میں ابتدا میں قوانین سازی کی جانب توجہ کرنے کے بجائے انگریزوں کے چھوڑے قوانین کو بعینہ یا معمولی ردوبدل کے ساتھ نافذ کرنے میں ہی عافیت جانی۔ بالآخر ۱۹۵۶ء میں پاکستان کے قیام کے ۹ سال بعد پہلا آئین منظور کیا گیا۔ یہ برطانوی طرز پر تھا اور پارلیمانی جمہوریت کے لیے اس کی حیثیت بہت خاص تھی۔ تاہم اپنے نفاذ کے دو سال بعد ہی ۱۹۵۹ میں فیلڈ مارشل جنرل محمد ایوب خان کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہو گیا۔ اور ۱۹۶۲ میں آنے والا صدارتی آئین براہ راست جمہوریت کے بجائے بنیادی جمہورتوں کو قبول کرتا تھا۔ جس کے تحت پہلی دفعہ غیر جماعتی بنیادوں پر انتخابات بھی کرائے گئے۔ بنیادی جمہورتوں کا یہ نظام فردِ واحد کی سوچ اور طرز عمل کا مظہر تھا۔ اس وجہ سے ملک کے مشرقی حصے میں بغاوت کی چنگاری بھڑک اُٹھی اور ۱۹۶۵ میں پاکستان پر اس کے مکار پڑوسی اور دیرینہ دشمن نے حملہ کر دیا یہ حملہ اس قدر اچانک اور بے ساختہ تھا کہ قریب تھا کہ اگر ملک محب وطن سپاہیوں کے کنٹرول میں نہ ہوتا تو شاید ملک کا ایک بڑا حصہ دشمنوں کے ہاتھوں میں چلا جاتا۔ آخر کار جنگ کے بعد جب پاکستانی حکومت کو مہنگائی بے روزگاری اور دیگر آفات کا علم ہوا تو اُس میں مغربی اتحاد کے ساتھ تعاون کر کے اپنے لیے یورپی اور مریکی فوجی ساز و سامان کا بندوبست کیا۔ از جانب دیگر پاکستان کی اقتصادی حالت بالخصوص مشرقی پاکستان کے حالات قابل رشک نہ تھے اور سیلابی صورتحال نے ان میں مزید ابتری پیدا کر دی۔ لیکن ۱۹۷۰ میں شروع ہونے والی جنگ نے بالآخر پاکستان کو اس کے مشرقی حصے سے الگ کر دیا۔ یہ صدمہ پاکستانیوں کے لیے ناقابل فراموش تھا اور جنرل ضیاء الحق عوامی بے چینی سے فائدہ اُٹھا کر ملک میں ایک دفعہ پھر مارشل لاء کا نفاذ کر دیا۔ دس سالہ حکومت کے بعد پہلے بینظیر بھٹو اور پھر نواز شریف کی ناکام حکومتوں نے قیادت کے زبردست فقدان کو مزید واضح کر دیا۔ یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں عوامی بے چینی مزید بڑھی۔ زیب النساز یبیؔ ۷۰ کی دہائی سے حساس موضوعات پر انتہائی جرات مندی سے اپنا نقطہ نظر بیان کرتی رہی ہیں۔ جنہوں نے ضیاء الحق کی فاشسٹ پالیسوں

کے خلاف اپنی آواز بلند کی۔ مارشل لاء کے دور میں لکھنا اور اظہار خیال کرنا پاکستانی مرد شعراء کے لیے بھی ایک مشکل امر رہا ہے۔ چہ جائے کہ زیب النساء زیبی جیسی ایک نرم مزاج اور اپنے حدود کی پابندی کرنے والی خاتون کی جانب سے اتنی زیادہ اور اتنی طاقت سے آواز بلند ہوئی ہو۔ مردوں کے معاشرے میں زیب النساء زیبی کی توانا آواز اُن مردوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئی۔ جنہوں نے مارشل لاء اور قید و بند کی صعبوتوں سے گھبرا کر شاہینوں کے بجائے زاغ کی ہوا اختیار کرنی تھی۔ اُن کے لہجے کی حرارت بیان کی سادگی اور پر وقار انداز میں اُس وقت کی دیگر شاعرات کے لیے ایسی مثال قائم کی جن پر چلنا قابل رشک اور قابل تقلید ہے۔

ضیاء دور کے بعد یکے بعد دیگرے آنے والی دو حکومتوں نے بھی اظہار رائے کی پابندی کی وہ دفعات شامل رہیں جس نے مارشل لاء کے ایک عشرے سے زائد دور کو گھٹن اور کڑھن کا معاملہ بنا دیا۔ ۹۰ کی تاریک دہائی گزرنے کے بعد دن کی روشنی ابھی نہ ہوئی تھی کہ نئی صدی میں سال ۲۰۰۱ء کا وہ واقعہ رونما ہوا جس نے تہذیب و تمدن، اخلاقیات معاشرت سمیت بہت سی روایات کو ختم کر ڈالا۔ یا اُن تعریفوں کو بدل دیا جن کی وجہ سے یہ مشہور تھیں۔

ب۔ زیب النساء زیبی کے بارے میں معاصرین کی آرا

شفیق عطاری، استادِ سخن، نقاد، انشاپرداز (لاہور)

زیب النساء زیبی نے ایک شعر لکھا تھا:

کون ہے وہ جو مری خوبیاں پہچانے گا
شہر کی گلیوں میں آباد ہیں سب تنگ نظر

کلیات'' کار دوام ''دل میں ہیں آپ (ص ۱۶۹)

یہ شعر پڑھ کر میں نے ان کا زمانے سے یہ گلہ دور کرنے کے لیے اپنے تئیں ایک چھوٹی سی کوشش کی ہے اور ان کی فنی و شخصی خوبیوں کو اجاگر کرنے کے لیے قلم کا سہارا لیا ہے۔ زیب النساء زیبی نے خود اپنے شعر میں کہا ہے کہ

عظیم انساں وہی ہیں زیبی
دلوں پہ جن کی حکومتیں ہیں

کلیات'' کار دوام ''دل میں ہیں آپ (ص ۱۶۱)

بے شک زیبی میں یہ خوبیاں تو ہیں جہاں تک ان کی شخصیت کا تعلق ہے، وہ فطرتاً شرمیلی معصوم اور مغموم واقع ہوئی ہیں۔ صاف گو ہیں انکی شخصیت کی کلید انکساری، شرافت نفسی اور اعتماد ہے دوستوں، حاسدوں اور دشمنوں کی غلطیوں سے بھی در گزر کرتی ہیں اور انکی بھلائی بہتری اور فلاح چاہتی ہیں۔ مزاج اور موڈ، حالات واقعات کے ماحول کے حساب سے بدلتے رہتے ہیں کبھی کم آمیز کم سخن اور کبھی انتہائی شوخ و چنچل، طبیعت اور مزاج میں انتہائی نرم۔ جو کام کرتی ہیں ذاتی مفادات سے بالا تر ہو کر کرتی ہیں نہ کوئی اُنہیں خرید سکتا ہے نہ ہی جھکا سکتا ہے۔ بلا کی عبادت گزار تو نہیں لیکن خوف خدا بلا کا ہے، کسی کی دل آزاری نہیں کر سکتیں اگر غیر ارادی طور پر ایسا ہو جائے تو بلا لحاظ چھوٹے بڑے سے معافی مانگ لیتی ہیں، بچے بھی انکے دوست ہیں، جوان اور بوڑھے بھی مرد اور عورت کے رشتے کے مابین ایک حدِ فاصل قائم رکھتی ہیں اُن کی آنکھوں میں سحر اور ذہانت کی ایک کشش ہے اُن پر نظر کا چشمہ انکی شخصیت کی سنجیدگی اور بردباری میں اور اضافہ کا سبب بنتا ہے۔ ا

وہ محنت اور جفاکشی میں بہادرانہ خصوصیت رکھتی ہیں اور وسعت قلبی وفیاضی کا یہ عالم ہے کہ اپنا کوئی بنک اکاؤنٹ تک نہیں۔ وہ اپنی ذات اور فن کے بارے میں بہت جذباتی اور حساس ہیں معمولی سے تحسین پر بھی خوش ہو جاتی ہیں بے جا، جانبدارانہ تنقید پر وہ خون کے آنسو روتی ہیں اور گھٹنوں کڑھتی ہیں لیکن یہ سب کرب وہ اپنی ذات پر سہتی ہیں دوست واحباب سے گلہ نہیں کرتیں۔ کبھی کبھی بڑی سے بڑی بات کو یوں معاف کر دیتی ہیں اور نظر انداز کر دیتی ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہیں۔

سرشار صدیقی نے زیبیؔ کے بارے میں لکھا۔

زیب النساء زیبیؔ ادبی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں وہ ادب کی مختلف اصناف پر طبع آزمائی کرنے والے شعراء میں صف اول میں نظر آتی ہیں۔ زیب النساء زیبیؔ نے غزل اور نظم میں بہت سے تجربات کیے ہیں وہ اپنی فکری صلاحیتوں اور ذہنی کاوشوں سے اُردو ادب کی خدمت میں روز و شب مصروف رہتی ہیں وہ ملکی اور ملی حالات سے ایک باخبر خاتون ہیں۔ ان کے دل میں قوم کا

درد ہے۔ ان کا کلام درد مندی اور انسان دوستی کا مظہر ہے۔ وہ ظلم و ستم اور بربریت کے خلاف ہر محاذ پر صف آرا نظر آتی ہیں۔ راست گوئی ان کی بڑی خوبی ہے۔ ان کے کلام میں ذات کا کرب بھی ہے اور معاشرتی آشوب بھی۔ وہ اپنے ہر قسم کے جذبات و احساسات اور تصورات کو الفاظ کا پیراہن عطا کرنے کے ہنر سے واقف ہیں۔ ۲

تجھے کہا تھا کہ اتنی نہ ڈھیل دے دل کو
سواب رکے گا کہاں خواہشوں کا قافلہ دیکھ

کلیات'' کار دوام ''دل میں ہیں آپ (ص ۱۰۳۵)

ایک روز توڑ دے گی کوئی ضرب بے رخی
رہتا ہے آبگینہ دل پتھروں کے ساتھ

کلیات'' کار دوام ''دل میں ہیں آپ (ص ۱۵۳۷)

تمام رات ہی تم جاگتے ہو چھپ چھپ کر
یہ عمر واقعی، جذبات میں ہے بہنے کی

کلیات'' کار دوام ''دل میں ہیں آپ (ص ۱۲۲)

ملک میں بڑھی ہوئی ناانصافی، مہنگائی، بے روزگاری، بدامنی، دہشت گردی اور بے یقینی کی صورت حال نے سب کو عدم تحفظ میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ایسے بدترین حالات میں ایک شاعر کیسے اس ماحول سے خود کو متاثر ہونے سے بچا سکتا ہے۔ زیبی بھی ان تکلیف دہ مناظر سے اپنا دامن قلبی نہیں بچا سکیں:

ناصر زیدی کہتے ہیں

ہم لاہور والے زیبی تخلص کی شاعرات کے سلسلے میں پہلے سے خود کفیل ہیں کہ لاہور کی ادبی فضا کو متحرمہ دُر نجف زیبی اور زبیدہ حیدر زیبی دستیاب ہیں۔ تاہم کراچی سے آمدہ محترمہ زیب النساء زیبی کو ہم نے دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید کہا کہ یہ صاحبہ فن ہی نہیں صاحبہ متعدد کتب بھی ہیں۔ ۳

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است۔۔۔۔۔ یہ اپنے انداز کی مختلف منفرد زیبی ہیں اور ہمارے لیے:

زیب دیتا ہے انہیں جس قدر اچھا کہیے

یہ شاعرہ ہیں 'افسانہ نگار ہیں' ناول نویس ہیں کالم نگار ہیں اور ظلم و جبر کے خلاف ڈٹ جانے والی ایک بہادر خاتون ہیں کہتی ہیں:

یزید وقت کی بیعت بھی کیوں کریں زیبیؔ
ہمیں قبول ہیں ظلم و ستم کی زنجیریں

کلیات'' کاردوام ''دل میں ہیں آپ (ص ۸۲)

مجھ کو دار و رسن سے کیا ڈرنا
سچ میرا وصف خاندانی ہے

کلیات'' کاردوام ''تیری یاد آتی ہے (ص ۲۱۹)

ان کی ہمہ جہتی فکر و فن کے حوالے سے لگ بھگ پچاس مقتدر اہل قلم تحریری اظہار رائے کر چکے ہیں اس لیے ادب کے حوالے سے میں ایک ہیچ مداں کس شمار و قطار میں ہوں بہر حال ان پچاس کے بعد اپنا نام درج کرانے کے لیے مختصراً عرض ہے کہ اپنے تازہ شعری مجموعہ ''دل میں ہیں آپ'' کے آغاز میں زیبی نے خود ہی ایک اچھا کام کر دیا ہے کہ وہ یہ کہ کوئی درجن بھر صفحات پر مشتمل زیب النساز یبی کے مقبول عام اشعار درج ہیں جن قارئین کی نظر سے کتاب گزرے گی وہ ان منتخب اشعار سے پوری طرح لطف اندوز ہو سکیں گے میں انتخاب در انتخاب کے تحت نہیں یونہی بلاوجہ بلاسبب کچھ اشعار آپ کی نذر کیے دیتا ہوں۔

کھودوں میں نہ کسی دن اپنی بینائی
شہر کا شہر ہے نابینا خوف آتا ہے

کلیات'' کاردوام ''دل میں ہیں آپ (ص ۱۶۶)

ڈھونڈتے رہتے ہیں ، زیبیؔ کو یہاں کے آثار
اس نگر کے ہمی وارث تھے ہمی گم ٹھہرے

کلیات'' کاردوام ''تم بن اُداس ہیں (ص ۹۸۵)

زیب النساء زیبی کا تازہ مجموعہ کلام 'دل میں ہیں آپ' کا عنوان دیکھتے ہی مجھے اپنا ایک بہت ہی پران شعر یاد آگیا۔

بہر حال عنوان پر کشش ہے جاذبِ توجہ ہے اس سے پہلے شائع ہونے والا مجموعہ 'تیری یاد آتی ہے' ایسا ہی قابل توجہ عنوان لیے ہوئے تھا۔ زیبیؔ نے اپنی زندگی کی کامیابیوں، کامرانیوں کا راز اپنی خوش قسمتی کو قرار دیا ہے۔

میں ہواؤں کے مخالف چلی زیبیؔ لیکن
میری قسمت ہے کہ رستہ وہی سیدھا نکلا

کلیات'' کار دوام ''دل میں ہیں آپ (ص ۹۱)

میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے تہذیبی عمل میں ایسی ثابت قدم، خوددار، اتنی صلاحیتوں سے نکھار پیدا کرنے والی خاتون دنیائے ادب میں میں نے کم ہی دیکھی ہے صنفِ غزل میں انہوں نے نہایت دلکش تجربات پیش کیے ہیں جو فکر و فن کی جمالیاتی رعنائیوں کا مظہر ہیں انہوں نے معاشرتی مسائل اور سماجی تضادات پر گہرائی سے کہانیاں بھی لکھی ہیں جن میں لفظ و بیان کی دلکشی بھی ہے اور فکری تنوع بھی۔

ظفر محمد خان ظفرؔ (سابق ڈائریکٹر سپارکو) نے لکھا

> زیبیؔ ایک سچی، بے باک اور بلند حوصلہ نیچرل شاعرہ ہیں۔ جن کی شاعری میں زندگی کے آنے والے طوفانوں نے نبرد آزما ہونے اور زندگی کی خوش سلیقگی سے بسر کرنے کا پیغام پنہاں ہے۔ نیز زیبیؔ کی عمیق نگاہ زندگی کے ان گوناں گوں گوشوں (مثلاً تلخ حقائق، نسوانی، مسائل، معاشرتی ناہمواریاں وغیرہ) پر بہ آسانی پڑ جاتی ہے جہاں دیگر شعراء و شاعرات کی نگاہ یا تو پڑتی ہی نہیں یا وہ زندگی کے ان گوشوں کو حقیر و غیر اہم سمجھ کر ان پر طبع آزمائی قابل اعتنا نہیں سمجھتے۔ لیکن زیبیؔ زندگی کے ان اچھوتے گوشوں کو کمال خوبصورتی سے شعری پیکر میں ڈھال کر اس طرح پیش کرتی ہیں کہ ان کا قاری یا سامع بے اختیار انہیں داد سے نوازنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور تادیر ان کے فکر انگیز اشعار کے سحر کی گرفت میں رہتا ہے۔ میرے خیال میں زیبیؔ کے کلام کی یہی وہ خوبی و انفرادیت ہے جو انہیں ان کے معاصرین میں بلاشبہ بہت سے شعراء و شاعرات سے ممتاز بناتی ہے۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ زیبیؔ کا رنگ سخن شاعری کے رنگ قدیم اور

رنگِ جدید کے امتزاج کا بہترین نمونہ ہے وہ عمدہ روایات کی پاسدار اور امین نظر آتی ہیں۔ ۴

میجر جنرل سکندر حیات ہلال امتیاز (ملٹری) نے لکھا

زیب النساء زیبی کہنے کو ایک شخصیت کا نام ہے مگر جب قاری کی نظر ان کی بے بہا صفات قابلیتوں اور لاتعداد علمی جہتوں اور قلمی کاوشوں پر پڑتی ہے تو سحر زدہ ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ میری ان سے ملاقات ان کی ایک کتاب کی رونمائی پر ہوئی۔ بہت کلچرڈ، رکھ رکھاؤ اور متاثر کن شخصیت کی حامل۔ جھیل سے آنکھوں والی سادہ سی خاتون۔ مگر جب میں نے ان کے خیالات کو سنا اور پھر ان کی دیگر تصنیفات کا مطالعہ کیا تو میں حیران و ششدر رہوئے بغیر نہ رہ سکا کہ اور سوچا کس طرح ایک گوشت پوست کی بنی ہوئی شخصیت اتنی لاتعداد علمی و تحقیقی راہوں پر ایک ساتھ اس عمدگی سے بنا کسی رکاوٹ کے اتنا طویل ادبی سفر اس تیزی سے، قوت سے، ادراک سے بھرپور طے کر سکتی ہے۔ اُردو ادب کی شاید ہی کوئی صنف ان کے قلم سے بچ پائی ہو۔ کسی بھی ادیب کو اتنا بہت سارا کام مکمل کرنے کے لیے ایک زندگی بہت ہی ناکافی پڑے گی۔ ۵

زیبی دراصل، حقیقت میں بہت ہی ورسٹائل (versatile) فکر و اندازِ تحریر رکھتی ہیں اور اس سے زیادہ درد مند دل و دماغ کی حامل ہیں۔ بہت متاثر کن شخصیت اور نامور ادیبہ ہیں۔ ان کی تصنیفات کی ایک طویل فہرست ہے۔ تعلیم و تدریس کا تاج بھی سر پر۔ تنظیم و تربیت کے میڈل بھی ان کی گود میں ہیں۔ گھر گرہستی میں بھی ایک نہایت کامیاب، ایک مکمل ماں اور اعلیٰ شریک حیات کتنے ستاروں سے مزین ہے یہ شخصیت۔

اس پائے کی شخصیت اگر کسی ترقی یافتہ و تعلیم یافتہ معاشرے میں جنم لیتی تو نہ جانے شہرت و ثروت کی کن بلندیوں پر اس کا نام جگمگا رہا تھا۔ مگر پاکستان میں بھی اہل علم نے اپنی محدودیت کے باوجود بھی ان کو جو مقام بخشا ہے وہ قابل فخر ہے۔ کراچی میں ان کے نام سے ایک سڑک منسوب کی گئی ہے۔ یہ اعزاز بہت عظمت والی شخصیتوں کو نصیب ہوتا ہے۔ ہماری آئندہ نسلوں کو اس پر فخر ہو گا کہ اس سرزمین پر اتنی قابل محقق، ہمہ صفت اور ہمہ جہت مصنفہ نے جنم لیا اور علمی و ادبی تحقیق کے خزانوں سے اُردو ادب کے شائقین کے دل و دماغ کو منور

کر دیا۔اُردو ادب کی شاید ہی کوئی صنف ہو جس تک ان کی پہنچ نہ ہو۔زیبی کے لیے دل کی گہرائیوں سے یہی دعا نکلتی ہے کہ اللہ ان کو طویل صحت مند زندگی عطا فرمائے اور اللہ کرے زور قلم اور زیادہ (آمین)

خورشید بیگ میلسوی لکھتے ہیں۔

میری اس بات سے شاید کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ اُردو ادب کے ابتدائی عہد سے ہی خواتین کا شعر و ادب میں کچھ نہ کچھ کردار رہا ہے۔تاہم چند خواتین نے اپنی جراتِ اظہار و بیان سے جہان فکر و فن کا وقیع مطالعہ کر کے اس شاہراہ ادب پر قدم رکھا اور اپنی ریاضت فن اور مشق سخن سے ایسے ایسے جوہر دکھائے کہ مرد حضرات کو بھی ان کی علمی و ادبی قابلیت و حیثیت کو تسلیم کرتے بن آئی۔البتہ زیادہ تر خواتین نے ناول،افسانے اور کہانیوں کے علاوہ دیگر اصنافِ سخن اور فنون لطیفہ میں طبع آزمائی کی جس کی مثال ہم محترمہ بانو قدسیہ،حاجرہ مسرور،کشور ناہید،قرۃ العین حیدر جیسی نابغہ عصر خواتین کے طور پر دے سکتے ہیں جنہوں نے بلاشبہ دنیائے ادب میں بڑا مقام حاصل کیا ہے تاہم شاعری کے حوالے سے محترمہ شبنم شکیل،پروین شاکر،کشور ناہید کے علاوہ چند دیگر خواتین نے بھی اس میدان میں اپنا تشخص قائم کیا اور ملکی سطح پر جانی پہنچانی گئیں اس فہرست میں اگرچہ بہت زیادہ شاعرات کے اسماء نہیں آتے مگر لمحہ موجود میں جو خواتین خوبصورت اور توانا شاعری کر رہی ہیں ان میں ایک نام محترمہ زیب النساآزیبی کا بھی ہے جن کا تعلق کراچی جیسے ادبی گڑھ سے ہے جسے بلاشبہ ''دبستان'' کا درجہ حاصل ہے جس میں لکھنو اور دہلی کی تہذیب پوری طرح در آئی ہے۔محترمہ زیب النساءزیبی نے اپنی محنت شاقہ اور اپنی فطری تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ایک جہان کو ششدر کر دیا ہے مجھے بھی دیگراں کی طرح یہ جان کر اور دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ مصنفہ اور شاعرہ محترمہ زیبی نے بہت کم عرصے میں متعدد کتابیں لکھ ڈالیں۔شب و روز ان کی مصروفیات کسی نہ کسی ادبی سرگرمی سے وابستہ ہوتی ہیں۔

نقاش کاظمی

میں شکر گزار ہوں آغا نور محمد پٹھان اور زیبی صاحبہ کا جن کی وجہ سے مجھے آج ان کی کتاب ''تیری یاد آتی ہے'' پر تبصرے کا موقع ملا۔زیبی کو میں ایک طویل عرصے سے جانتا ہوں تقریباً بیس سال پہلے انہوں نے بتایا تھا کہ وہ اپنی ایک کتاب لانے والی ہیں اور وہ اس وقت انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ میں تھیں۔پھر زیبی نے خاموشی اختیار کر لی ان کی نظمیں،غزلیں،مضامین،افسانے اکثر و بیشتر اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

زیبی درد دل رکھنے کی وجہ سے عوام الناس کی خدمت بھی انجام دیتی ہیں۔ان کی یہ کتاب واقعی ان کے نئے سفر کا احیاء ہے میں انہیں خوش آمدید کہتا ہوں انہیں بہت سے مواقع حاصل ہیں۔یہ بہت آگے جا سکتی ہیں۔

انہوں نے روایت کے اعتبار سے جو غزلیں کہی ہیں وہ خوب کہی ہیں غزل میں جو روایت ہے اسے انہوں نے برقرار رکھا ہے اساتذہ اور شعرا سے انہوں نے مشورے بھی لیے ہوں گے۔

ان کی شاعری کا دوسرا پہلو نظم ہے جو اظہار یہ عام فہم سادہ اسلوب بہت مشاہداتی اور سچائی پر مبنی ہے اور جو محسن بھوپالی کی ''نظمانے'' (شعری مجموعہ) سے ملتا ہے۔

زیبی نے جو سچائی اپنی نظموں کی صورت میں بیان کی ہے وہ بڑا جرات مندانہ اقدام ہے۔ گوشت سے ہم سب واقف ہیں جب میں نے پہلا شعر میر تقی میرؔ کا ''چشم خوبستہ'' کے حوالے سے پڑھا تھا تو ان کی جرات پر داد دی پھر فیض پھر میرا جی پھر منٹو نے کچھ کہا۔ شعر اور نثر نگاری میں یہ بات آگے بڑھی پر کچھ اور شعراء و شاعرات نے لکھا۔ مسائل سارے سماجی ہیں گفتگو، خیال، تصور، سب کچھ اس کتاب کا جدا ہے، اس کتاب کا پورا اسلوب ہی الگ ہے۔

سرخ جلتا ہوا گلاب کا استعارہ، سرخ رنگ میں یہ اسلوب ایک خاص طرز شاعری ہے اس میں جذبات ہیں سماجی، سیاسی، معاشرتی، خصوصاً نفسیاتی مسائل ہیں ''آدم حوا'' کا رشتہ ہے ان کے رشتوں کی سفاکیاں ہیں، محبتیں ہیں، ایثار ہیں اور مرد کی حاکمتی کا بھی احتجاج ہے۔ بہت بہت کچھ ہے اور یہ سچائی بھی قبول ہے لیکن یہ سچائی چونکا دیتی ہے یہ سچائی وہ ہے جس کا ادب میں اپنا ایک مقام ہے۔

ندیم اسلم (کالم نگار، شاعر، ادیب) لکھتے ہیں

شاعری انسانی جذبوں کی ترجمان ہوتی ہے زندگی میں ہم جس کیفیت سے گذر رہے ہوتے ہیں اس کا ظہار ہم ضرور کرتے ہیں شاعری اس اظہار کی ارفع شکل ہے۔ اظہار کی اس ارفع شکل کو خوبصورتی سے نبھانے والی، عہد حاضر کی تازہ فکر شاعرہ، شگفتہ اسلوب افسانہ نگار ''زیب النساء زیبی'' دنیائے سخن میں کسی بھی تعارف کی محتاج نہیں۔

انسان کی زندگی میں ایک دور ایسا آتا ہے۔ جب وہ خود کو آسمان کی بلندیوں پر اُڑتا محسوس کرتا ہے قوت متخیلہ کائنات کا احاطہ کرتی ہوئی لگتی ہے۔ زیب النساء بہترین کالم نگار، ناول نگار، مترجم، محقق ہونے کے ساتھ ساتھ ممتاز ماہر تعلیم اور سابق افسر اطلاعات (سندھ) بھی رہ چکی ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے زیب النساء زیبی کو ہمہ جہت خوبیوں سے نوازا ہے۔ انہوں نے مختلف اصنافِ سخن میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے ہیں۔

ان کی تحریریں مسلسل نئے پن کا احساس دلاتی رہتی ہیں معاشرے کی چیرہ دستیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کا حوصلہ رکھتی ہیں۔ وہ اپنے ارد گرد بکھری کہانیوں کو شعری پیکر عطا کرتی ہیں۔ ان کی شاعری میں ہُنر وری نمایاں ہے۔

زیب النساء زیبیؔ صرف فوجی حکمرانوں کی شاکی نہیں رہی بلکہ انھوں نے اپنے شعروں میں عوامی ووٹوں سے منتخب ہو کر آنے والے عیار اور مکار حکمرانوں کا بھی پردہ فاش کیا ہے۔ عوامی رائے کو مقدم رکھنے آئین کی سلامتی اور عوامی حقوق کی بات کرنے والے اُن نمائندوں کو للکارا ہے جو ان خوبصورت اصطلاحات کے پردے میں عوام کا استحصال کرنے، اپنی جیبیں لوٹ مار کی دولت سے بھرنے اور دنیا بھر میں اپنی قوم کو ذلیل کروانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ عوامی نمائندوں سے اُن کی نفرت بے جا نہیں۔ کیونکہ عوامی نمائندے اُن کی نظر میں اعتماد اور اعتبار کے قابل نہیں جو بد معاشی اور دھونس کے نتیجے میں اقتدار میں آکر عوامی وسائل کو اپنے نفاذ کے لیے بے دردی سے استعمال کرنے میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ ان کے شعروں سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں معاشرے کے ایسے نمائندے مطلوب ہیں جو اس قلاش قوم کو مادی، روحانی اور اخلاقی ہر اعتبار سے مالا مال کر دیں۔ اُن کی یہ خواہش بے جا معلوم نہیں ہوتی کیونکہ پاکستان سے بعد میں آزاد ہونے والے خلیجی اور وسط ایشیائی ممالک ترقی کی دوڑ میں پاکستان کو پیچھے چھوڑ چکے ہیں۔ یہ منظر نامہ اب تبدیل ہونے کو ہے اور الفاظ کا اثر رفتہ رفتہ دلوں کو اپنی جانب کھینچنے میں کامیاب رہا ہے۔ زیب النساء زیبیؔ اور اس جیسے بہت سارے مجاہد جنھوں نے قومی منظر نامے کو بدلنے میں مدد دی ہے لائق تحسین اور قابل رشک ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ شفیق عطاری، زیب النساء زیبیؔ کی ظاہری شخصیت جتنی روشن ہے باطن بھی اتنا منور ہے، مشمولہ زیب النساء زیبیؔ شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، کراچی ۲۰۱۴، ص ۲۳۰

۲۔ سرشار صدیقی، زیب النساء زیبیؔ کے شعری موضوعات اور فکری رویے، مشمولہ زیب النساء زیبیؔ شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، کراچی ۲۰۱۴، ص ۲۷۷

۳۔ ناصر زیدی، ''دل میں ہیں آپ'' کی مصنفہ ظلم و جبر کے خلاف ڈٹ جانے والی خاتون، مشمولہ زیب النساز یبی شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، کراچی ۲۰۱۴، ص ۲۹۹

۴۔ ظفر محمد خان ظفر، زیب النساء زیبیؔ کے اچھوتے شعری پیکر میں ڈھلے ہوئے فن پارے، مشمولہ زیب النساز یبی شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، کراچی ۲۰۱۴، ص ۲۶۹

۵۔ میجر جنرل سکندر حیات، ''تخیل کا سفر'' میں زیب النساء زیبیؔ کا تحقیقی کام قابل رشک ہے، مشمولہ زیب النساز یبی شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، کراچی ۲۰۱۴، ص ۶۹۴

۶۔ خورشید بیگ میلسوی، زیب النساء زیبیؔ: دبستانِ کراچی کی نابغہ ء عصر خاتون، مشمولہ زیب النساز یبی شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، کراچی ۲۰۱۴، ص ۳۱۶

۷۔ نقاش کاظمی، زیبیؔ سچائی اور جرات میں عصمت چغتائی، منٹو، کرشن چندر اور میراجی کی برابری کرتی نظر آتی ہیں، مشمولہ زیب النساز یبی شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، کراچی ۲۰۱۴، ص ۳۵۹

۸۔ ندیم اسلم، زیب النساء زیبیؔ ایک عہد ایک تاریخ، مشمولہ زیب النساز یبی شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، کراچی ۲۰۱۴، ص ۳۶۱

ج۔ نتائج

۱۔ زیب النساء زیبیؔ جولائی ۱۹۵۴ء کو کراچی میں پیدا ہوئیں عملی زندگی کے آغاز میں زیب النساء زیبیؔ درس وتدریس کے شعبے سے وابستہ رہی ہیں اسکے بعد انہوں نے شاعری کی طرف توجہ کی اور اُردو ادب کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی انہوں نے افسانہ، کالم اور شاعری میں اپنے قلم کے جوہر دکھائے ہیں۔

۲۔ زیب النساء زیبیؔ نے اپنی غزلوں میں اپنے دور کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ عشق اور محبت اُردو غزل کی بنیادی موضوع رہا ہے۔ زیب النساء زیبیؔ نے بھی عشق کے موضوع پر بے شمار غزلیں لکھی ہیں۔

۳۔ زیب النساء زیبیؔ نے غم جاناں اور عشق کے ساتھ ساتھ معاشرے میں موجود سیاسی مسائل اور اتار چڑھاؤ کو بھی اپنے شاعری کا موضوع بنایا ہے اور اپنے عہد کے سیاسی مزاج کی عکاسی کی ہے۔

۴۔ زیب النساء زیبیؔ نے اپنے دور کے معاشرتی مسائل جن میں غربت، بھوک، ترقی اور دہشت گردی کے مسائل پر بھی اشعار لکھے ہیں۔

۵۔ زیب النساء زیبیؔ نے عورتوں کے دکھ درد اور معاشرے میں عورت کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں اور محرومیوں کو بھی موضوع سخن بنایا ہے۔

د۔ سفارشات

۱۔ زیب النساء زیبیؔ کی غزلوں کا اسلوبیاتی جائزہ لیا جانا چاہیے۔

۲۔ زیب النساء زیبیؔ کی غزلوں کو ان کے ہم عصر شعراء سے تقابل کرنا چاہیے۔

۳۔ زیب النساء زیبیؔ کی نظمیہ کلیات ''سخن تمام'' جس میں انہوں نے نظم کی ستر اصناف پہ شاعری کی اُس کا جائزہ لیا جانا چاہیے۔

۴۔ اُن کے نثری ادب، تحقیق و تنقید پر بھی تحقیقی کام ہونا چاہیے۔

کتابیات

بنیادی ماخذ:

- کلیات ''کارودوام'' زیبی اینڈ عائزاز پبلی کیشنز، کراچی ۲۰۱۴۔
- تیری یاد آتی ہے، پبلی کیشنز، کراچی ۱۹۹۸۔
- تم میرے ہو، زیبی اینڈ عائزاز پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۱۰۔
- دل میں ہیں آپ، زیبی اینڈ عائزاز پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۰۸۔
- کوئے محبوب سے ہجرت، زیبی اینڈ عائزاز پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۱۴۔
- ہوں تیرے دھیان میں، زیبی اینڈ عائزاز پبلی کیشنز، کراچی ۲۰۱۴۔
- زیب النساز یبی: شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، کراچی ۲۰۱۴۔

ثانوی ماخذ

- اشفاق احمد ورک، غزل آباد، بیت الحکمت لاہور، ۲۰۰۶ء
- بشیر سیفی، ڈاکٹر، تنقیدی مطالعے، نذیر سنز لاہور، ۲۰۰۶ء
- رشید امجد، ڈاکٹر، مزاحمتی ادب، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۹
- رشید امجد، ڈاکٹر، پاکستانی ادب: رویے اور رجحانات، پورب اکادمی، ۲۰۱۰
- روبینہ شہناز، ڈاکٹر، اُردو ادب میں پاکستانی تصور قومیت، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۷
- سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۲ء
- شہزاد منظر، پاکستان میں اُردو افسانے کے پچاس سال، جامعہ کراچی، ۱۹۹۷
- شمیم حنفی، خیال کی مسافت، فضلی سنز لمیٹیڈ، کراچی، س۔ن
- غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، اُردو شاعری کا سیاسی پس منظر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۸ء
- قمر رئیس، پروفیسر، معاصر غزل (مرتبہ)، اُردو اکادمی لاہور، ۱۹۹۴
- محسن اعظم محسن ملیح آبادی، زیب النساء زیبی شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، کراچی، ۲۰۱۴ء
- محمد عالم خان، چند نئے ادبی مسائل، پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساونڈ، لاہور ۱۹۹۱ء
- ممتاز الحق، ڈاکٹر، جدید غزل کا فنی، سیاسی و سماجی مطالعہ، س۔ن

- منیر نیازی، ''پیش لفظ'' اُردو غزل انتخاب ۱۹۷۲تا۱۹۷۹ء، اکادمی ادبیاتِ پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۷۹
- نظیر صدیقی، ''جدید اُردو غزل ایک مطالعہ،'' گلوب پبلشرز، لاہور ۱۹۸۴
- وزیر آغا، ڈاکٹر، ''مکالمات'' وزیر آغا سے، مرتبہ، ڈاکٹر انور سدید، مکتبہ فکر و خیال لاہور، ۱۹۹۱ء

رسائل و جرائد

- سہ ماہی تسطیر، لاہور، شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۱۰
- ماہنامہ فنون، لاہور، جلد ۸، شمارہ ۳، ۴ اگست ۱۹۶۹
- سہ ماہی کتابی سلسلہ، کراچی، شمارہ ۱۶، مئی ۲۰۰۷
- ماہنامہ نیرنگ خیال، راولپنڈی، شمارہ ۲۵۰، دسمبر ۱۹۸۶
- ماہنامہ نگار، کراچی، مشترکہ شمارہ جولائی و اگست، ۱۹۶۵

انٹرویوز

- زیب النساء زیبی (انٹرویو) از مقالہ نگار، راولپنڈی، جولائی ۲۰۱۷
- عنبرین افشاں، (ٹیلی فونک انٹرویو) از مقالہ نگار، جولائی ۲۰۱۷ء
- محمد اقبال (انٹرویو) از مقالہ نگار، راولپنڈی، مارچ ۲۰۱۸ء

انٹرنیٹ/ویب سائٹس

- زیب۔النساء۔زیبی ماخوز از اُردو ویکپیڈیا/https://ur.wikipedia.org/wiki